احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جون 2021ء

علماء کی صفات اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں مدارسِ دینیہ کا نصاب

نظام المدارس پاکستان کے زیراہتمام قومی کانفرنس سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 7 برس

شہداء کے ورثاء انصاف سے محروم

شہیدِ انقلاب محمد اقبال

شہیدِ انقلاب غلام رسول

شہیدِ انقلاب محمد عمر صدیق

شہیدۂ انقلاب تنزیلہ امجد

شہیدۂ انقلاب شازیہ مرتضیٰ

شہیدِ انقلاب شہباز مصطفوی

شہیدِ انقلاب حکیم صفدر حسین

شہیدِ انقلاب محمد عاصم حسین

شہیدِ انقلاب رضوان خان

شہیدِ انقلاب خاور رانجھا

انصاف کی عمارت کی پہلی اینٹ غیر جانبدار تفتیش ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
حضرت سیدنا قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 35 شمارہ: 6 | شوال/ ذیقعد ۱۴۴۲ھ | جون 2021ء

چیف ایڈیٹر نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصراللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم | گرافکس عبدالسلام
خطاطی محمد اکرم قادری | عکاسی قاضی محمود الاسلام

حسنِ ترتیب

اداریہ: انصاف کی عمارت کی پہلی اینٹ غیر جانبدار تفتیش ہے	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: سیرتِ مصطفی ﷺ کی روشنی میں علومِ دینیہ کا نصاب	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
دورۂ علوم الحدیث (نشست: سوم، حصہ: 6)	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	13
الفقہ: نکاح میں ولی کا مسئلہ	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	17
عبادات و معاملات میں حُسن و نظم کا اہتمام	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	21
سانحہ ماڈل ٹاؤن: حقائق و محرکات	محمد شفقت اللہ قادری	26
سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 7 برس۔ حالیہ پیش رفت کا ایک جائزہ	نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ	30
غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت	ثناء اللہ طاہر	34

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے | سالانہ خریداری: 350 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور Ext:128 UAN:042-111-140-140

حمد باری تعالیٰ

رگوں میں خون کے دوران کے حوالے سے
میں مانتا ہوں تجھے، جان کے حوالے سے

تری صفات کا ہر رنگ منفرد دیکھا
زمیں کے رشتے سے، انسان کے حوالے سے

ہر ایک ثانیہ ہے، پھیلتے محیط ایسی
یہ کائنات تری شان کے حوالے سے

کوئی بھی راہ ہو، رہبر ترا صحیفہ ہو
بسرکریں ترے قرآن کے حوالے سے

متاعِ دیں ہے حلاوت نما، سُرور افزا
حُب آشنا ہیں ہم ایمان کے حوالے سے

کچھ اور پھیلتی، بڑھتی، ہمکتی جاتی ہے
علوئے شاں تری، ہر آن کے حوالے سے

ہنر میں خیر ہے، لحن و بیاں میں برکت ہے
اُسی رحیم اور رحمٰن کے حوالے سے

دلوں کی روشنی، ہونٹوں کی چاندنی ٹھہرا
کلام، حمد کے عنوان کے حوالے سے

'بلیٰ بلیٰ' لبِ ہر ذرّہ کا ہے وِرد ریاضؔ
اسی الست کے پیمان کے حوالے سے

﴿پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

مدحت سرا حضورؐ کا معبود کائنات
نازاں ہے اُن کے حسن پہ مسجودِ کائنات

توصیفِ مصطفیٰؐ سے ہیں یوں شاد جان و دل
پایا ہو جیسے جلوۂ محمودِ کائنات

تخلیقِ کائنات ہوئی جن کے نور سے
ہے معجزہ کہ وہ بھی ہیں موجودِ کائنات

کعبہ بھی سرنگوں ہوا آمد پہ آپؐ کی
پایا جو اُس نے گوہرِ مشہودِ کائنات

جن کے قدم کی خاک بھی صد رشکِ آسماں
''وہ شاہکارِ حُسن وہ مقصودِ کائنات''

منظور ہے بفیضِ نبیؐ سب کی بہتری
منشورِ دینِ حق ہے جو بہبودِ کائنات

مامور اکتسابِ فیوضِ نبیؐ پہ ہے
ارشدؔ! حدودِ دہر میں ہر جودِ کائنات

﴿حکیم ارشد محمود ارشد﴾

اداریہ

انصاف کی عمارت کی پہلی اینٹ غیر جانبدار تفتیش ہے

17 جون کے واقعات پاکستان کی تاریخ کا ایک دلخراش باب ہیں۔جب تک شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء اور مظلوموں کو مکمل انصاف نہیں مل جاتا تب تک نظامِ عدل و انصاف کے اوپر ایک سوالیہ نشان برقرار رہے گا۔جون کا مہینہ بالخصوص **17** جون کا دن تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے قائدین، کارکنان، قانون پسند شہریوں کو غمزدہ کر دیتا ہے کہ اس دن بغیر کسی قصور کے ریاستِ پاکستان کے شہریوں کا بے دردی کے ساتھ خون بہایا گیا اور اس سے بڑھ کر یہ ظلم کہ انہیں انصاف سے محروم رکھا گیا ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول زبان زد عام ہے کہ ''کفر کا نظام چل سکتا ہے لیکن ظلم کا نظام نہیں چل سکتا۔'' یہی وجہ ہے کہ بے گناہوں کا قتلِ عام کرکے ظلم کا نظام قائم کرنے والی ظالم اشرافیہ آج مکافاتِ عمل کا شکار ہے۔صبح، دوپہر، شام ان کی لوٹ مار، ٹی ٹیز، منی لانڈرنگ اور ناجائز اثاثے بنانے کی کہانیاں الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا کی زینت بنتی رہتی ہیں اور سرکاری تفتیشی ادارے آئے روز ان کی عجب کرپشن کی غضب کہانیاں قانونی فورمز کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی بے آواز لاٹھی ہے جو اس ظالم خاندان پر صبح شام برس رہی ہے۔ اشرافیہ کو عوام نے انصاف کے بول بالا، انسانیت کی مدد اور پاکستان کی اقتصادی مضبوطی اور خوشحالی کے لئے اقتدار اور اختیار دیا تھا مگر ان ظالموں نے اقتدار پر نسل در نسل خاندانی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے ظلم و بربریت کا سہارا لیا۔ ریاستی مہروں کو استعمال کرنے کے لئے انہیں لوٹ مار کی دولت کا حصہ دار بنایا، اندرون، بیرون ملک محلات تعمیر کئے، وہ خاندان جو اقتدار کے نشے میں خود کو ''ان ٹچ ایبل'' سمجھتا تھا بالآخر قانون کی گرفت میں آیا اور نشانِ عبرت بن گیا مگر شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء قاتل اور کرپٹ اشرافیہ کو سانحہ ماڈل ٹاؤن کے قتلِ عام کے جرم پر پھانسی کے پھندے پر جھولتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جو خاندان اقتدار کے نشے میں خود کو سب سے طاقتور اور باعزت سمجھتا تھا آج اس خاندان کی ہر قانونی، سیاسی اور سماجی فورم پر خاک اڑ رہی ہے اور وہ نشانِ عبرت بنا ہوا ہے۔جو لوگ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری پر پاکستان کی سرزمین کو تنگ کرنے کے لئے ریاستی طاقت کا بے دریغ استعمال کرتے رہے آج اس خاندان پر پاکستان کی زمین تنگ ہو چکی ہے۔ اشرافیہ کے خاندان کا ''علی بابا'' اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کا ماسٹر مائنڈ جو کرپشن پر کوچہ اقتدار سے نکال کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کیا گیا وہ آج بیماری کا بہانہ بنا کر بیرون ملک چھپا ہوا ہے،اس مفروری کا ''کریڈٹ'' بھی اس نظام کو جاتا ہے کیونکہ یہ نظام قاتلوں، لٹیروں، رسہ گیروں کا سہولت کار ہے اور اسی ظالم اور کرپٹ نظام کے خلاف ڈاکٹر طاہرالقادری اور ان کے تعلیم یافتہ محبِّ وطن کارکنان نے کلمہ حق بلند کیا تھا جس کی پاداش میں کرپٹ اور قاتل اشرافیہ نے کارکنوں کا بے دردی سے خون بہایا۔ قاتلوں، لٹیروں کو جو سہولتیں یہ نظام مہیا کرتا ہے کسی اور ملک میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

شہدائے ماڈل ٹاؤن کے انصاف کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری آج بھی پرعزم ہیں، انہوں نے حصولِ انصاف کے لئے پاکستان کے چوٹی کے وکلاء اور ان کے چیمبرز کی قانونی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، انسدادِ دہشت گردی عدالت لاہور سے لے کر لاہور ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ تک شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کا کیس لڑا جا رہا ہے اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا آج بھی یہ عزم مصمم ہے کہ جب تک دم میں دم ہے اور یہ سانس چل رہی ہے شہدائے

ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کو انصاف دلوانے کے لئے قانونی جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ انہوں نے اپنے اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ شہداء کا انصاف پوری تحریک پر ایک قرض ہے ،تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کا کوئی کارکن حصولِ انصاف کی جدوجہد سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری انصاف کے حصول کے حوالے سے پرعزم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بے گناہ انسانی خون بہا ہے، یہ رائیگاں نہیں جاسکتا۔ اس کا حساب اس دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا۔ قاتل اور ان کے سہولت کار جتنے بھی طاقتور، چالاک اور مکار کیوں نہ سہی بالآخر وہ قانون کی گرفت میں آئیں گے۔شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء اس وقت اعلیٰ عدلیہ کے سامنے جو قانونی چارہ جوئی کررہے ہیں وہ غیر جانبدار تفتیش سے متعلق ہے۔ **7** سال گزر جانے کے بعد بھی سانحہ ماڈل ٹاؤن کی تفتیش کے لئے غیر جانبدار جے آئی ٹی کو کام نہیں کرنے دیا گیا۔ انصاف کی عمارت کی پہلی اینٹ غیر جانبدار تفتیش ہوتی ہے اور آئین کے آرٹیکل **10-A** کے تحت غیر جانبدار تفتیش بنیادی حق تصور کیا گیا ہے مگر افسوس **7** سال سے شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء اس بنیادی حق سے محروم ہیں۔ دوسری طرف سانحہ ماڈل ٹاؤن میں بے گناہ انسانی خون بہانے والے وہ افسران جن کی شناخت اور نشاندہی ہو چکی ہے انہیں آج کے دن تک نہ تو گرفتار کیا گیا اور نہ ہی ان کے خلاف محکمانہ کارروائی عمل میں لائی گئی ہے، تمام کے تمام پولیس افسران جو انسدادِ دہشت گردی عدالت کی طرف سے بطور ملزم طلب کئے گئے ہیں وہ سارے لوگ آج بھی پرکشش پوزیشنز پر براجمان ہیں اور بھاری مراعات سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔ جب تک قاتلوں کو قانون کے مطابق سزا ملنے کا قانونی کلچر جڑ نہیں پکڑے گا تب تک عام آدمی کا جان و مال غیر محفوظ رہے گا اور ظلم جاری رہے گا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں بے گناہوں کا خون بہانے والے پولیس افسروں نے ترقیوں، من پسند پوسٹنگز اور منہ موتیوں سے بھرنے کے لئے اشرافیہ کے غیر قانونی احکامات مانے اور قتل عام کیا۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ماسٹر مائنڈز کو اس سانحہ کے فوری بعد ترقیاں ملیں، کسی کو سفیر بنا کر جنیوا بھجوا دیا گیا، کسی کو وفاقی ٹیکس محتسب بنا دیا گیا، جو انسپکٹر تھا وہ ڈی ایس پی بن گیا، ایس پی، ایس ایس پی بنا دیئے گئے اور ترقیوں کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

حکومت تو بدل گئی مگر انصاف کے حوالے سے شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کے دن نہیں بدلے، آج بھی تاریخیں ہیں اور بے حسی ہے۔ پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے مگر انصاف کا عمل انتہائی سست روی کا شکار ہے۔ یہ طرفہ تماشا ہے کہ آج بھی مظلوموں کی بجائے قاتلوں کی آواز سنی جاتی ہے۔ سارے ریلیف قاتلوں اور لٹیروں کیلئے ہیں ۔ انصاف کے عمل کو اتنا سست بنا دیا گیا ہے کہ اگر اسی رفتار سے انصاف کا یہ عمل چلتا رہا تو کئی دہائیاں گزر جائیں گی اور انصاف نہیں ہوگا۔ فوری انصاف کی فراہمی کے حوالے سے پاکستان کی سب سے بڑی عدالت جو حکم بھی جاری کرتی ہے اس پر عمل نہیں ہوتا۔ سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ نے تنزیلہ امجد شہید کی بیٹی بسمہ امجد کے سر پر ہاتھ رکھ کر پورے ادارے کی طرف سے یہ کمٹمنٹ دی تھی کہ انصاف ضرور ہوگا مگر انصاف کا عمل الٹا ریورس ہوگیا ۔سابق چیف جسٹس کی سربراہی میں قائم جس بنچ نے غیر جانبدار تفتیش کے لئے جے آئی ٹی بنوائی تھی اس جے آئی ٹی کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ ہماری معزز عدلیہ سے یہ استدعا ہے کہ وہ **14** بے گناہ پاکستانیوں کو قتل کرنے والے ملزمان اور اس سانحہ کے ماسٹر مائنڈز کے ساتھ قانون کے مطابق برتاؤ کرے ۔سانحہ ماڈل ٹاؤن کی غیر جانبدار تفتیش ہوگی تو قاتلوں کے چہروں سے نقاب اٹھیں گے۔ غیر جانبدار جے آئی ٹی کا کیس لاہور ہائیکورٹ کے فلور پر ہے اور شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء انصاف کے طالب ہیں۔

(چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

نظام المدارس پاکستان کے زیر اہتمام قومی کانفرنس

علماء کی صفات اور سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدارس دینیہ کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ملک بھر کے علماء کرام سے خصوصی خطاب

حصہ دوم

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ....معاون: محبوب حسین

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مدارسِ دینیہ کے قیام کا مقصدِ اولیں قرآن و سنت کی حقیقی فکر کے امین علماء تیار کرنا ہے، لیکن یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عالم ایک مخصوص ہیئت رکھنے والے شخص کا نام نہیں ہے کہ جس نے سنت کے مطابق داڑھی رکھی ہو، جو ٹوپی پہنتا ہو، عمامہ پہنتا ہو، یا لمبا شلوار قمیص پہنتا ہو، یا جبہ پہنتا ہو، تسبیح ہاتھ میں رکھتا ہو، خطاب کرتا ہو، جمعہ پڑھاتا ہو، وعظ کرتا ہو تو وہی عالم ہے۔ یہ تمام چیزیں علماء کے شعائر و مراسم یا علامات ہیں۔ یہ تمام امور عالمِ دین کے وظائف، فرائض اور ذمہ داریوں کا حصہ ہیں مگر صرف ان ہی شعائر و علامات کے حامل شخص کو عالم نہیں کہتے۔

علماء کی صفات: قرآنِ مجید کی روشنی میں

ذیل میں قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں علماء کی صفات کو بیان کیا جارہا ہے کہ ایک عالمِ دین کو کن خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے:

(۱) معاشرے میں امتیازی علمی حیثیت

علماء کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ امتیازی علمی شان کے حامل ہوں۔ ارشاد فرمایا:

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ.

’’فرما دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔‘‘ (الزمر، ۹:۳۹)

قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ نے یہ اصول وضع کردیا کہ علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ اس اصول کی روشنی میں مذکورہ آیتِ کریمہ سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ عالم وہ ہے جو معاشرے میں دیگر طبقات سے اپنے علم کے باعث منفرد اور ممتاز نظر آئے۔ عالم اور جاہل میں برابری نہ ہونے کے بیان میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک عالم معاشرے کے دیگر افراد کے مقابلے میں زیادہ شرف کا حامل ہو۔ لازمی بات ہے کہ یہ شرف اُسے دوسروں کو دھمکانے اور ڈرانے کے زور پر تو حاصل نہیں ہوگا بلکہ اُسے وہ شرف علم نے دینا ہے۔ یعنی اس کا علم اس قدر گہرا اور اتنا وسیع و ہمہ جہت ہونا چاہیے کہ وہ اپنے زمانے میں دوسروں سے ممیّز اور مکرّم و مشرّف نظر آئے۔

(۲) علماء علمی جمود کا شکار نہ ہوں

علماء کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کے علم میں ہر آن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا:

وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا. (طه:١١٤)

’’اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔‘‘

☆ (مقام: مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن)، (تاریخ: 17مارچ 2021ء)

اس آیت سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ عالم وہ ہے جس کی زندگی میں علم ہر وقت بڑھتا رہے۔ وہ شخص جس کا علم ہر وقت بڑھتا نہیں، وہ عالم نہیں ہے یا علم کا سچا حامل نہیں ہے یا علم اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔ یعنی علم اگر جمود کا شکار ہو جائے تو عالم تنزلی کا شکار ہوجاتا ہے۔

وَ قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کے مصداق حضور نبی اکرم ﷺ کا اللہ کی بارگاہ میں اپنے علم کے ہر لحہ بڑھنے کی دعا فرمانا ہمیں بھی اپنے علم کو بڑھانے کا پیغام دیتا ہے۔ جب ہر آن علم میں اضافہ کا حکم ہے تو لازمی بات ہے کہ علم میں یہ اضافہ مطالعۂ کتب ہی کے ذریعے ممکن ہوگا اور انہی کتب کو نصاب کہتے ہیں۔ جب علم بڑھانا ہے تو نصاب میں بھی اضافہ اور تبدیلی ناگزیر ہے۔ نظامِ تعلیم میں نئی کتب، نئے منہج و اسلوب اور نئے طور طریقے شامل کرنا ہوں گے۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ جب نئے اشکالات، سوالات، اعتراضات، اعتقادات، انتشار، کفرو الحاد، فتنے اور نئے معاشی، معاشرتی، دستوری اور آئینی مسائل پیدا ہوں گے تو نئے زمانے کے مطابق ان کا حل پیش کرنا ناگزیر ہوجائے گا۔ پیش آمدہ نئے مسائل کا صحیح اور قابلِ قبول حل دینے کے لیے علم کو بھی آگے بڑھانا لازمی ہوگا، تب جاکر ہم اس قابل ہوں گے کہ اس معاشرے میں امتیاز پائیں اور ممیّز ہوں۔ ’’رب زدنی علما‘‘ کے اندر یہی پیغام کارفرما ہے۔

مدارسِ دینیہ کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت کیوں؟

اسی سے نصاب کی اہمیت پر بھی غور کریں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ یہ گوارا نہیں فرماتے کہ علم ایک سطح پر رہے تو وہ نصاب جو علم کے حصول کا ایک ذریعہ ہے، اگر وہ ہی دو سو سال پرانا ہو تو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں پر کیسے پورا اترے گا۔۔۔؟ مدارسِ دینیہ میں رائج دینی نصاب مختلف علاقوں اور زمانوں میں مختلف تبدیلیوں کے مراحل سے گزرتا آیا ہے مگر آخری نصاب جو ہمارے پاس ہے، وہ ملاں نظام الدین فرنگی محلی کا 272 سال پہلے کا مرتب کردہ ہے۔ ہم نے اس میں بہت قلیل اضافہ جات کیے ہیں، اکثر وہی نصاب ہے جو 272 سال سے چلا آرہا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ اس روئے زمین پر کیا کوئی مرکزِ علم، کوئی یونیورسٹی، کالج، سکول، تربیت گاہ، درس گاہ، الغرض کوئی بھی شعبۂ زندگی آج کل اس حال کے ساتھ چل رہا ہے جو 272 سال پہلے کا حال تھا۔۔۔؟ یقیناً نہیں۔ ہمارے لباس، گھر، زبان، رہن سہن، تجارت، معیشت، معاش، سیاست، معاشرت ہر چیز بدلتی جارہی ہے، اس لیے کہ زندگی میں تحرّک آتا ہے تو ہر چیز بدلتی ہے۔ جس طرح زمانے کے تقاضے کے ساتھ ہر شے بدلتی جاتی ہے، اسی طرح نصاب کو بھی زمانے کے ساتھ آگے بڑھانا ناگزیر ہوتا ہے۔ اگر ہر چیز تو تبدیل ہورہی ہو مگر نصاب میں تحرّک اور ارتقاء کا عمل روک دیا جائے تو پھر اس نصاب کو پڑھ کر نکلنے والے علماء اور سکالرز پیچھے رہ جاتے ہیں اور زمانے کے لوگ آگے نکل جاتے ہیں۔ بالآخر دین کے ان نمائندوں اور دیگر معاشرتی طبقات میں ذہنی اور علمی وفکری فاصلہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ یہ لوگ معاشرے میں اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ ان میں اور باقی لوگوں میں فہم و ادراک اور تکلّم کا ربط نہیں رہتا اور یہ مختلف زمانوں کے لوگ لگتے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف میں اصحابِ کہف کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ تین سو سال کے بعد بیدار ہوئے تو انہوں نے ایک ساتھی کو پرانا سکہ دے کر بازار بھیجا اور خاص ہدایت کی کہ اس طریقے کے ساتھ جائے کہ پتہ نہ چلے کہ ہم کون لوگ ہیں مگر وہ لوگ اپنے پرانے سکے کی وجہ سے پہچانے گئے کہ یہ بہت پہلے کے زمانے کے لوگ ہیں۔ سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا ہے تو علم بھی آگے بڑھتا ہے، حتی کہ ہر شخص کے ذہنی وعقلی معیار میں بھی تبدیلی آتی چلی جاتی ہے۔

☆ علماء کو علمی جمود کا شکار نہیں ہونا چاہیے، اس کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی. (الضحی، ۹۳:۴)

''اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہے۔''

یہاں آخرت سے مراد ہر اگلا لمحہ ہے، یعنی ہر آنے والا لمحہ پچھلے لمحے سے بہتر ہو۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ عالم وہ ہے جس کے علم کی مقدار ہر روز پچھلے دن سے زیادہ ہو۔

اس موقع پر تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ بیان کروں گا کہ مجھے کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے ساٹھ برس گزر گئے مگر ہر روز میں اس طرح پڑھتا ہوں کہ جیسے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہوں۔ ہر فن کی کتب کا اس طرح مطالعہ کرتا ہوں کہ جیسے مجھے کچھ آتا ہی نہیں ہے اور خود کو پہلی جماعت کا طالب علم سمجھ کر پڑھتا ہوں۔ جب آدمی ہر روز علم کے حصول پر محنت کرتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کے باب میں اس کا اگلا دن اس کے پچھلے دن سے بہتر کردیتا ہے۔ میری زندگی میں کوئی ایسا دن نہیں آتا کہ جس دن میں جمود اور ٹھہراؤ کی طرف جاؤں کہ میں نے بہت پڑھ لیا ہے اور مجھے بہت کچھ آتا ہے حالانکہ اس وقت میری 600 سے زائد کتب چھپ چکی ہیں اور عنقریب کئی جلدوں پر مشتمل متعدد ضخیم کتب مختلف موضوعات پر منظر عام پر آنے والی ہیں۔ بتانا مقصود یہ ہے کہ میں ہمہ وقت اسی کام میں رہتا ہوں اور اپنی زندگی میں ٹھہراؤ نہیں آنے دیتا۔

پس یہ بنیادی اصول ذہن میں رہے کہ عالم وہی ہوگا جو خود کو ہر وقت متعلم سمجھے۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو عالم سمجھ لیا تو سمجھ جائے کہ اس کا ارتقاء رک گیا۔ ہم نے دینی مدارس میں اہتمام کرنا ہے کہ طلبہ کو ایسا ماحول دیں کہ ہر وقت اور ہر سمت ان کا علم بڑھتا رہے۔ ہمیں نظام المدارس یا دیگر بورڈز کے تحت طلبہ کی تعلیم و تربیت کے اہتمام کے وقت اللہ اور اس کا رسول ﷺ کے حکم اور منشاء کے مطابق ان طلبہ کے علم میں ہر آن اضافہ کرنے کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

(۳) پیکرِ تقویٰ

علماء کی تیسری صفت اور خوبی کی طرف قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر، ۳۵: ۲۸)

''بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں۔''

یعنی اصل خشیتِ الٰہیہ علماء کے دلوں میں ہوتی ہے۔ عالم وہ ہے جس کا دل خشیتِ الٰہیہ سے لبریز ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے مدارس کے طلبہ کے دلوں میں کتنی خشیت پیدا ہورہی ہے۔۔۔؟ ہم طلبہ کو کتنا خاشع، متواضع، عابد اور مطیع بنارہے ہیں۔۔۔؟ طلبہ میں خشیتِ الٰہی، زہد اور تقویٰ میں کس قدر رغبت پیدا ہورہی ہے۔۔۔؟ اس آیتِ کریمہ میں موجود ''انما'' کلمہ حصر کا اطلاق جہاں ''خشیت'' کے لیے ہوگا وہاں ''العلماء'' کے لیے بھی ہوگا۔

(۴) صاحبِ حکمت

علماء کی ایک اور پہچان قرآن مجید میں یوں کروائی گئی:

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. (البقرہ، ۲: ۲۶۹)

''وہ جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی۔''

اس آیت سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ عالم کو صاحبِ حکمت بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے نظامِ تعلیم و نصابِ تعلیم کے ذریعے طلبہ کے اندر ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا کرنی چاہیے کہ وہ صاحبانِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ صاحبانِ حلم بھی ہوں، صاحبانِ حکمت بھی ہوں اور صاحبانِ تفکر بھی ہوں۔ وہ عالم جو فقیہ بھی ہو، اللہ کی بہت بڑی عطا اور خیرات ہوتا ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا:

من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقہ فی الدین.

'' اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے، اس کو دین میں تفقہ عطا کرتا ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل، ۴: ۹۳)

نظام المدارس کے قیام کے اغراض و مقاصد میں یہ امر سرِفہرست امور میں شامل ہے کہ ہم نے مدارسِ دینیہ سے حاملینِ تفقہ پیدا کرنے ہیں، یعنی جو دین کی حقیقی سمجھ بوجھ اور

حکمت و بصیرت کو جاننے والے ہوں تاکہ صحیح معنوں میں تعلیماتِ اسلام کو معاشرے میں فروغ دے سکیں۔

علماء کی فضیلت: قرآن مجید کی روشنی میں

قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے علماء کی فضیلت کو مختلف انداز سے بیان فرمایا۔ ذیل میں چند ایک مقامات کو بیان کیا جارہا ہے:

(۱) شہادتِ توحید: اللہ، ملائکہ اور علماء کی اکٹھی گواہی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی شہادت کے ذکر میں ملائکہ اور علماء کی شہادت کو ایک ساتھ بیان کرکے علماء کے مقام و مرتبہ کو واضح فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ .

(آل عمران، ۳: ۱۸)

’’اللہ نے اس بات پر گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی۔‘‘

اس آیت میں ’’ملائکہ‘‘ اور ’’اولی العلم‘‘ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بیان میں واوٴ عاطفہ کے ساتھ اکٹھا بیان کیا اور اپنے ساتھ گواہ بنایا۔

☆ اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ علماء کو کم از کم ملکوتی صفت کا حامل ہونا چاہیے، یعنی علماء ناسوت سے کچھ نہ کچھ نکلے ہوئے ہوں۔ ناسوتی رشتہ ختم تو نہیں ہوسکتا مگر ان کے ناسوت میں ملکوت ہو۔ نظام المدارس کے نصاب میں الحمدللہ ایسی کتب بھی شامل ہیں جن کے ذریعے ان شاء اللہ طلبہ میں اس صفت کو پیدا کرنے کے لیے بھی کاوشیں بروئے کار لائی جائیں گی۔

(۲) درجات کی بلندی

علماء کی فضیلت کو ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے یوں واضح فرمایا:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ . (المجادلة، ۵۸: ۱۱)

’’اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔‘‘

درجات کی بلندی علم سے مشروط ہے اور علم نصاب اور مدرسہ کے ماحول کے ذریعے آتا ہے۔ جب ہم اولی العلم بنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ڈھیروں درجات بلند کردیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو فیضان اپنے انبیاء و رسل کو دیتا ہے، اس میں سے خیرات علماء کو بھی عطا کرتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ کے مصداق اللہ تعالیٰ رسولوں میں سے بعض رسولوں کے درجات بلند کرتا ہے، اسی طرح اس افضلیت میں سے خیرات کا حصہ امت کے علماء کو بھی دیتا ہے، کیونکہ انھیں انبیاء کی نیابت نصیب ہوتی ہے۔ مدارس اور نصاب کا مقصد ان درجات کے لیے طلبہ میں ظرف، صلاحیت اور استعداد پیدا کرنا ہے۔

(۳) شہادتِ رسالت: اللہ اور اہلِ علم کی اکٹھی گواہی

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہی کے لیے اپنا اور اہلِ علم کا ذکر اکٹھا بیان کیا۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا م بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ. (الرعد، ۱۳: ۴۳)

’’فرما دیجیے: (میری رسالت پر) میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطورِ گواہ کافی ہے اور وہ شخص بھی جس کے پاس (صحیح طور پر آسانی) کتاب کا علم ہے۔‘‘

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی شہادت میں ملائکہ اور علماء کو اپنے ساتھ اکٹھا بیان فرمایا اور اب اس مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی شہادت کے لیے اللہ کی گواہی اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے، یعنی جو عالمِ حقیقی ہے، اس کی گواہی کو کافی قرار دیا۔ اللہ رب العزت نے شہادت کے مرتبے پر علماء کو اتنا شرف عطا کیا ہے کہ اپنے ساتھ ملاکر ان کا ذکر کیا ہے۔

الحمدللہ نظام المدارس کے لیے جو نصاب مرتب کیا گیا ہے، اس کے ذریعے علماء میں مذکورہ جملہ صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے

والے حقیقی معنی میں عالم کہلاسکیں اور اپنے دامن کو قرآن و سنت کی حقیقی تعلیمات سے معمور کیے ہوئے ہوں۔

علم اور علماء کی فضیلت: اقوالِ صالحین کی روشنی میں

قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں علم اور علماء کی فضیلت اور صفات و خصائل کے مطالعہ کے بعد اب آیئے! سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں بھی اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ علم اور علماء کی فضیلت کیا ہے؟

۱۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے جسے خطیب بغدادی نے **الفقیه والمتفقه** میں بیان کیا کہ وہ فرماتے ہیں:

ارفع الناس عنداللّٰه منزلةً من كان بين اللّٰه وبين عباده وهم الانبياء والعلماء.

(الفقيه والمتفقه، خطيب بغدادى، ۱: ۱۴۹)

’’اپنے درجہ اور منزلت کے اعتبار سے سب لوگوں سے بلند ترین درجہ اس کا ہے جو اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان واسطہ ہے اور وہ رُسل عظام اور علماء ہیں۔‘‘

یعنی عالم بین اللہ وبین العباد واسطہ اور وسیلہ ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز نظام المدارس پاکستان اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے اس قول نے واضح کردیا کہ مدارسِ دینیہ کا مقصد دنیا داری نہیں ہونی چاہیے بلکہ ہدف یہ ہونا چاہیے کہ ایسے لوگ یہاں سے پیدا ہوں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بنیں۔

۲۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرمایا کرتے تھے:

من اراد ان ينظر الى مجالس الانبياء فلينظروا الى مجالس العلماء فعرفوا لهم ذالك.

(الفقيه والمتفقه، خطيب بغدادى، ۱: ۱۴۹)

’’جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی چشمِ تصور سے انبیاء کی مجلس کو دیکھ لوں (یعنی انبیاء کی مجالس کا مشاہدہ کروں کہ ان کا ماحول اور منظر کیسا ہوتا ہوگا) تو وہ علماء کی مجالس کو دیکھ لے۔ پس وہ اُن ہستیوں کو ان علماء کے ذریعے جان لے گا۔‘‘

گویا مجالس العلماء؛ مجالس الانبیاء نظر آنی چاہئیں اور یہ تب ہی ممکن ہوگا جب علماء؛ انبیاء والی گفتگو کریں گے۔ امام حسن بصریؒ ایک دن خطاب فرمارہے تھے، کسی صاحبِ نظر و حکمت نے سنا تو پوچھا کہ یہ کون کلام کررہا ہے؟ کہا گیا کہ حسن بصری ہیں۔ فرمایا: خدا کی قسم! یہ الفاظ کلامِ نبوت دکھائی دے رہے ہیں یعنی اللہ کے نبی جیسا کلام لگ رہا ہے۔

پس علماء کے کلام میں کلامِ انبیاء دکھائی دے۔ ان کی وضع قطع، اخلاق و معاملات، زہد و ورع، تقویٰ و استغناء، پرہیزگاری، لوگوں کے ساتھ صدق و اخلاص، ترکِ تکبر، ترکِ حرص الغرض جملہ اخلاقِ حسنہ ان کی ذات و کردار میں نظر آئیں اور دیکھنے اور سننے والے کو پتہ چلے کہ اس کے سیرت و کردار میں انبیاء کا نور اور ان کی سیرت و کردار کا فیض جھلک رہا ہے۔

یہ سب چیزیں علماء میں دورانِ تعلیم؛ نصاب، مدرسہ اور ماحول کے ذریعے ہی آسکتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ بارہ یا چودہ سال کی عمر میں جب بچہ مدرسہ میں آتا ہے تو اس کی شخصیت کا کچھ حصہ والدین، ابتدائی سکول، علاقے کے ماحول، دوستوں اور معاشرے نے بنادیا ہوتا ہے۔ بعد ازاں جب بچہ مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو آٹھ سال مدرسہ میں گزارنے اور علم کے حصول کے بعد جب وہ سند لیتا ہے اور لوگوں کی امامت اور رہنمائی کرنے کے لیے تیار ہوچکا ہوتا ہے مگر مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے اور بعد میں یعنی اس سارے عرصہ میں اُسے اسوۂ رسول ﷺ نہ ملا۔ اس کی سیرت، کردار، نگاہ، کلام، اخلاق، ادب اور طرزِ عمل میں کوئی نئی اور امتیازی بات نہیں ہوتی۔ اگر وہ بھی اسی طرح باتیں کرے جیسے باقی دنیا دار، سیاست دان اور دیگر شعبہ جات سے منسلک لوگ کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مدارس نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ پس مدارس میں اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق طلبہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا کہ ایسے علماء وجود میں آئیں جن کو دیکھ اور سن کر مجالس انبیاء کی یادیں تازہ ہوجائیں۔

۳۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؓ کا قول خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا:

ان لم یکن اولیاء اللہ فی الدنیا والآخرۃ الفقہاء والعلماء فلیس للہ ولی. (الفقیہ والمتفقہ، ۱:۱۵۰)

’’اگر باعمل فقہاء؛ اولیاء اللہ نہیں ہیں تو روئے زمین پر کوئی ولی نہیں ہے۔‘‘

امام اعظم نے معیارِ ولایت باعمل فقہاء کو قرار دیا ہے۔ لازمی بات ہے کہ ایسے فقہاء جو زیورِ علم سے آراستہ ہونے کے بعد معیارِ ولایت پر پورا اتریں، تو ان کے شب و روز، وقار، زبان، علم، حلم، اخلاق، سیرت، کردار، تفہم، تدبر، تفکر، معاملہ اور حال؛ ان تمام پہلوؤں کو سنوارنا نصاب اور مدارس کے ماحول کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات درست ہے کہ 100 فیصد ایک سال میں ہی نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے لیے سالہا سال کا سفر طے کرنا پڑتا ہے، مگر اس سمت پر سفر کا آغاز تو کریں، اس حقیقت کو تسلیم تو کریں، ایک بار اس سمت قدم تو اٹھائیں۔

علومِ دینیہ کا نصاب سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں

علم اور علماء کی فضیلت اور مقام و مرتبہ سے آگاہی کے بعد اب آیئے علومِ دینیہ کے نصاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علومِ دینیہ کے نصاب کو سمجھنے کے لیے سب سے بڑا پیمانہ اور معیار آقا ﷺ کی طرف سے عطا کردہ نصاب ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں نصاب کی شکل وصورت اور ہیئت بدلتی ہے مگر اصل اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جس نصاب کے ذریعے رجالِ علم و عمل پیدا کیے اس میں عہدِ رسالتمآب ﷺ، عہدِ خلفائے راشدین، عہدِ صحابہؓ، عہدِ تابعین، عہدِ تبع تابعین کی شخصیات اور سلف صالحین شامل ہیں۔ عہدِ نبوی ﷺ سے لے کر سلف صالحین یعنی تقریباً تین صدیوں تک نصاب کا فوکس کتبِ معینہ کے بجائے معین علماء اور اساتذہ پر ہوتا تھا۔ پہلے زمانے میں ایسے بڑے مدارس نہیں تھے جہاں بیک وقت بہت سے طلبہ اکٹھے رہیں اور تعلیم حاصل کریں۔ ہر مضمون کے لیے طلبہ سفر کرکے اس مضمون کے ماہر اساتذہ کے پاس جاتے جو انھیں وہ خاص کتاب اور فن پڑھاتے تھے۔ ایک استاد سے کسی ایک مضمون کا علم حاصل کرنے کے بعد طلبہ دیگر مضامین دوسرے استاد کے پاس جاکر پڑھتے تھے۔ اس طرح ہر علم اور فن کے لیے انھیں مختلف اساتذہ کے پاس زانوئے تلمذ تہہ کرنا پڑتا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم ائمہ فقہ و ائمہ حدیث کے بارے میں سنتے ہیں کہ ان کے سیکڑوں شیوخ ہوتے تھے۔ امام بخاری ایک ہزار سے زیادہ شیوخ کے پاس گئے، امام اعظم چار ہزار سے زیادہ شیوخ کے پاس گئے۔ وجہ یہ تھی کہ نصاب میں معین کتب نہیں تھیں بلکہ کسی خاص علم وفن میں مہارت رکھنے والے اساتذہ تھے۔ جس کو جو کچھ پڑھنا ہوتا وہ چل کر ان کے پاس جاتے، ان سے پڑھ کر پھر دوسرے مضمون کے لیے دوسرے کے پاس جاتے اور اس طرح علم کے حصول کے لیے سفر کرتے۔

اس اسلوب کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود وضع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے جو نصابِ تعلیم وضع فرمایا وہ معین کتب پر نہیں بلکہ معلمین پر مبنی تھا۔ اس دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق حضور ﷺ نے معلمین تیار کیے، جیسا کہ ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم بناکر مدینہ منورہ بھیجا، بعد از ہجرت حضرت عبادہ بن صامتؓ کو اہلِ صفہ کے لیے معلم بنایا، حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ کو اہلِ مدینہ کے لیے معلم بنایا، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو یمن اور بعد ازاں شام کے لیے معلم بنایا، حضرت معاذ ابن جبلؓ کو اہلِ مکہ اور بعد ازاں یمن کے لیے معلم بنایا، حضرت عمرو بن حزم الخزرجیؓ کو نجران کے لیے معلم بنایا، حضرت رافع بن مالک الانصاریؓ کو مدینہ میں معلم بنایا، حضرت اسید بن حضیرؓ کو اہلِ طائف اور دیگر قبائل کے لیے معلم بنایا۔

☆ حضور ﷺ کے زمانے میں نصاب قرآن مجید، سنت اور حدیثِ نبوی ﷺ پر مشتمل تھا۔ اسی سے ہی عقائد، اخلاق، سیرت اور معاملات کے بارے رہنمائی لی جاتی۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صفہ کے علاوہ بھی دارالقراء کے نام سے ایک مرکزِ تعلیم بنا رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ غزوہ بدر کے فوری بعد مدینہ ہجرت کرکے آئے تو انہیں جس گھر میں ٹھہرایا گیا، اس کا نام دارالقراءٗ تھا، یہ حضرت مخرمہ بن نوفل کا گھر تھا۔

(طبقات ابن سعد، ۴: ۲۱) قراء اس وقت اساتذہ، معلمین اور علماء کو کہتے تھے۔ گویا وہاں کئی قرأ، معلمین، اساتذہ جمع ہوتے ہوں گے اور پڑھاتے ہوں گے۔ پس آقا ﷺ نے صفہ اور دارالقراء کی شکل میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔

☆ آپ ﷺ نے جو مدرسہ قائم کیا اس میں مقیم اور غیر مقیم دونوں طرح کے طلبہ تھے۔ ایک وقت میں ان کی تعداد ستر تک ہوتی۔ صفہ سے کل فارغ التحصیل کی تعداد سات سو سے ایک ہزار تک ہے۔ یہاں آنے والوں کو حضور نبی اکرم ﷺ خود سکھاتے اور پڑھاتے۔ علاوہ ازیں دوسرے قبائل سے بھی وفود آتے تھے اور نصاب کے اسباق پڑھ کر چلے جاتے تھے۔ الغرض آپ ﷺ نے کثیر تعداد میں علماء و مدرسین تیار کرکے مختلف علاقوں میں تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے بھیجے۔ معلمین کی کثیر تعداد میں تیاری اور قبائل کی طرف روانہ کیا جانا؛ اس بات کو ان واقعات سے بھی شہادت ملتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے مختلف قبائل کو بھجوائے گئے کثیر معلمین و قرأ کو بعض جگہوں پر دھوکے سے شہید بھی کیا گیا۔ حدیث اور سیرت کی کتب میں یہ واقعات مذکور ہیں کہ ایک جگہ ستر افراد شہید کیے گئے، ایک جگہ پچاس شہید کیے گئے، ایک جگہ دس شہید ہوئے۔

☆ مرکزی درس گاہ کے علاوہ شہر مدینہ کے اندر 9 مسجدیں تھیں، ہر مسجد میں درس ہوتا تھا اور صحابہ کو تعلیم دی جاتی تھی۔ گویا ان مساجد کی شکل میں چالیس مدارس اور درس گاہیں تھیں۔

اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اس قدر کثیر تعداد میں تیار ہونے والے معلمین اور ان مساجد و مراکز میں کیا پڑھایا جاتا تھا اور یہاں کا نصاب کیا تھا۔۔۔؟ اگر ہم اس نصاب اور علوم کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کا نصابِ تعلیم کس قدر جدت اور وسعت کا حامل تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس ان پڑھ معاشرے میں صرف دس سال کے عرصے کے اندر جس طریق سے لوگوں کو پڑھایا، اس کے چند نظائر درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ ﷺ کے نصابِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی بدولت قرأ، کاتبین اور معلمین کی کثیر تعداد تیار ہوگئی۔ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے کاتب صحابہ کی تعداد 43 تھی۔ آپ ﷺ کے اڑھائی سو تحریری خطوط ملتے ہیں جو آپ ﷺ نے معاہدات، دستاویزات، (Documents) کی شکل میں تحریر کروائے اور مختلف سلاطین، قبائل اور اشخاص کو روانہ کیے۔

۲۔ تبع تابعین سے پہلے کے زمانے میں احادیثِ مبارکہ کے پونے تین سو تحریری ذخائر مرتب ہوچکے تھے۔ آج لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ تدوینِ حدیث کا کام امام بخاری کے وقت میں یا ان سے تھوڑا پہلے ہوا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے پونے تین سو ذخائرِ حدیث مرتب ہوچکے تھے۔

۳۔ آپ ﷺ نے جو نصاب ترتیب دیا وہ کثیر زبانوں پر مشتمل تھا تاکہ تمام علوم پر دسترس ہو۔ ہم تو انگلش زبان سے دور رہے، جبکہ حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابت ؓ کو عبرانی زبان سکھائی جو یہودیوں کی زبان تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ فارسی، حبشی، افریقی، یونانی، رومی اور سریانی تمام زبانیں جانتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ:

أن يتعلم كتاب اليهود حتى كتبت للنبيّ كتبه وأقرأته كتبهم اذا كتبوا اليه. (صحيح بخاری، ٦: ٢٦٣١)

یہودیوں کی زبان سیکھو تاکہ جب ان کا خط آیا ہو تو جواب دے سکو۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کہتے ہیں کہ میں نے سترہ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔ گویا مروجہ زبانیں اور دیگر مروجہ علوم سیکھنا سنتِ نبوی ہے۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو مضامین پڑھاتے، ان میں قرآن و حدیث، احکام و مسائل، شریعت، تربیت اور سیرت و کردار سازی تو موجود تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم جو شریعت میں سے نہیں ہیں، ان کی تعلیم بھی بطورِ مضمون شامل تھی۔ مثلاً: وراثت کے احکام کا تعلق علومِ عصریہ سے ہے۔ اسی طرح ضرورتِ معاشیہ اور ضروریاتِ معاشرتیہ کے علوم بھی شاملِ

نصاب تھے۔ ریاضی طب، علم فلکیات (Astronomy)، علم نجوم، علم الانساب، Security & Defense، علم الہیت، تجارت، قانون (جس کو فقہ کا نام دیا)، سوشیالوجی، یہ تمام وہ علوم ہیں جن کا ذکر کتبِ حدیث اور کتبِ سیر میں درج ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ان علوم کو پڑھا اور ان میں تخصصات حاصل کیے۔ یہ سارے علوم علومِ شرعیہ نہیں تھے بلکہ علوم عصریہ تھے جو معاشروں، اقوام اور قبائل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سکھائے جاتے ہیں۔

پس حضور نبی اکرم ﷺ نے جدت و وسعت کے حامل ایسے نصاب کے ذریعے اپنی امت کی تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا کہ جو نصاب تمام شرعی و عصری علوم اور کثیر زبانوں پر محیط تھا۔

مدارس کے قیام کا تاریخی پسِ منظر

حضور نبی اکرم ﷺ نے کتبِ معینہ کے بجائے خاص علوم وفنون کے حامل معلمین و اساتذہ کے ذریعے فروغِ تعلیم کے جس اسلوب کو رواج دیا، مختلف اساتذہ کے ذریعے فروغِ تعلیم کا یہ سلسلہ اڑھائی تین سو سال تک قائم رہا۔ بعد میں جامعات، دارالعلوم اور مدارس بنے جہاں مختلف اوقات میں ہزاروں طلبہ کامل کر پڑھنے کا رواج شروع ہوا:

۱۔ سب سے پہلے 235 ہجری میں آج سے بارہ سو سال قبل جامعہ قرویین بنی جس میں تمام علوم پڑھائے جاتے تھے۔ قرآن و حدیث اور اس سے متعلقہ علوم، صرف ونحو، منطق، فقہ کے علاوہ فزکس، کیمیا، ریاضی، طبعیات، غیر ملکی زبانیں، ادویات، فلکیات، تاریخ اور جغرافیہ پڑھائی جاتیں۔

۲۔ جامعہ قرویین کے بعد 359 ہجری میں جامعۃ الازہر بنی۔ جامعۃ الازہر کا بھی یہی اصول تھا کہ علوم القرآن، علوم الحدیث، علوم الفقہ کے ساتھ ساتھ معاشیات، بنکاری، تجارت، عربی زبان و ادب، تصوف، تربیت، سیرت، جدید افکار، تقابلِ ادیان، ثقافت سب کچھ پڑھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے جامعہ الازہر پوری دنیائے اسلام میں اپنے نصابات میں کبھی پیچھے نہ رہا اور دونوں طرح کے علوم اس کے نصاب میں شامل رہے۔

۳۔ بغداد کا مدرسہ المستنصر یہ 625 ہجری میں بنا۔ جسے بعد ازاں جامعہ نظامیہ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

۴۔ ہمارے مدارسِ نظامیہ کا نام ایک قول کے مطابق مولانا نظام الدین سہالوی لکھنوی (مرتب درس نظامی) کے نام سے منسوب ہے مگر اس سے پہلے سلجوقی سلطنت کے سلطان ملک شاہ کے وزیرِاعظم نظام الملک طوسی کے نام سے مدارس کا نام ''مدرسہ نظامیہ'' رکھا گیا اور درسِ نظامی کی اصطلاح شروع ہوئی۔ نظام الملک طوسی نے اپنے زمانے میں موصل، بغداد، اصفہان، نیشاپور، بلخ، بصرہ، ایران اور افغانستان میں مدارس قائم کیے۔ ان تمام مدارس کا نام سلجوقی وزیرِاعظم کے لقب ''نظام الملک'' کی وجہ سے ''مدرسہ نظامیہ'' ہوا۔

۵۔ مدارس کے قیام سے پہلے ائمہ نے الگ الگ مدارس اپنے گھروں میں بنا رکھے تھے۔ مثلاً: امام ابوالحفص البخاری، ابن حبان، ابوالولید حسان بن احمد نیشاپوری، محمد بن عبداللہ بن حماد، شجاع الدولہ، سعد بن عبداللہ، امام بیہقی الغرض بہت سے علماء اور ائمہ نے اپنے اپنے حلقہ جات قائم کر رکھے تھے۔ جب مدارسِ نظامیہ کی ابتداء ہوئی تو پھر مدارس کا ایک جال بچھ گیا۔

☆ ان مدارس کے الگ الگ نصابات ہر علاقے کی ضرورت کے مطابق وضع کیے جاتے تھے۔ اس علاقے اور زمانے کو جو ضرورت ہوتی اور حکومتیں بین الاقوامی تقاضے کے مطابق جن علوم وفنون کے ماہرین کا مدارس سے تقاضا کرتیں، ان مدارس میں علماء ان خاص علوم وفنون کو نصاب میں شامل کرتے اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق تیار کرتے۔ یعنی نصابات updated رہتے۔ اس سے پہلے کوئی ایک سکول، کالج، یونیورسٹی نہیں تھی بلکہ صرف یہی مدرسے تھے۔ جہاں تمام علوم سکھائے اور پڑھائے جاتے تھے۔ مدرسہ ہی سکول، کالج اور یونیورسٹی ہوتا۔ اسی سے ایک خاص سطح تک پڑھنے کے بعد تخصصات شروع ہوتے اور مختلف میادین کے متخصص لوگ سامنے آتے۔ مگر انسٹی ٹیوشن ''مدرسہ'' ہی تھا۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁❁❁

سہ روزہ درۂ علوم الحدیث

محدثین کا حدیثِ ضعیف سے استدلال

امام ابو داؤدؒ صحاح ستہ کے دیگر ائمہ کی طرح حدیث میں امام اور مجتہد ہیں

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

قسط نمبر 6

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

۲۔ امام ابوداؤدؒ کا اخذِ حدیث میں معیار

امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن کو مرتب کرتے ہوئے اُس کے لیے قواعد وضع کیے۔ کچھ علماء نے مکہ مکرمہ سے آپ کو خط لکھا کہ وضاحت فرمائیں کہ سنن ابی داؤد کی شرائط و قواعد کیا ہیں اور اُس میں روایتِ حدیث کے کیا اُصول آپ نے مقرر فرمائے ہیں؟

امام ابو داؤدؒ نے اُس خط کا جواب دیا جو رسالة أبي داؤد إلى أهل مكة کے نام سے معروف ہے۔ اس میں آپ نے خود اپنے قلم سے اپنی کتاب 'سنن' میں احادیث کو اخذ و روایت کرنے کے درج ذیل اُصول بیان فرمائے جو امت اور علماء کے لیے قواعدِ علم الحدیث بن گئے۔ امام ابو داؤدؒ صحاح ستہ کے دیگر ائمہ کی طرح علم حدیث میں امام اور مجتہد ہیں۔ یہ جو بات لکھ دیں اور فرما دیں تو وہ قاعدہ اور اُصول بن جاتا ہے اور سارے لوگ پھر اُن کی پیروی کرتے ہیں۔

(۱) سنن ابی داؤد میں ایک حصہ میں امام ابو داؤدؒ نے وہ احادیث روایت کی ہیں ما أخرجه الشيخان جن کی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے تخریج کی ہے۔ یعنی جو متفق علیہ ہیں۔

(۲) سنن ابی داؤد میں مذکور دوسرا حصہ احادیث وہ ہے جن کو صرف امام بخاریؒ نے روایت کیا یا امام مسلمؒ نے روایت کیا، یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اور دوسرے نے چھوڑ دیا تو امام ابوداؤد نے ان احادیث کو بھی روایت کیا۔

(۳) سنن ابی داؤد کی احادیث کا ایک حصہ وہ ہے:

وكان إسناده جيداً سالماً من علة وشذوذ.

''جن کے اسناد جید بھی تھے اور علل و شذوذ سے محفوظ بھی تھے۔''

یعنی وہ احادیث جن کی تخریج امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نہیں کی تھیں مگر وہ صحیح تھیں اور ان ائمہ کی شرائطِ صحت پر پوری اترتی تھیں، امام ابو داؤدؒ نے ان احادیث کو بھی روایت کیا ہے۔

(۴) سنن ابی داؤد میں بیان کردہ احادیث کا چوتھا حصہ یہ ہے:

ما كان إسناده صالحا وقبله العلماء لوجيئه من وجهين لينين.

''جن کے اسناد صالح ہیں اور علماء نے اسے قبول کیا ہے اور وہ دو ایسے طریق سے آئی ہیں جو نرم (کمزور) ہیں۔''

صالح کا مطلب ہے کہ اُن احادیث پر صحیح کا ٹائٹل نہیں لگتا مگر وہ صالح اور مقبول ہیں اور انھیں علماء نے قبول کیا ہے اور یہ احادیث دو نرم طرق اور اسناد سے آئی ہیں۔ یعنی ان طرق میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہے مگر دو طرق کے مل جانے نے اُسے اتنی تقویت دے دی کہ امام ابوداؤدؒ نے اُنہیں صحیح کے درجے میں قبول کیا ہے حالانکہ یہ اسناد خود صالح کے درجے میں تھیں۔

(۵) سنن ابو داؤد میں پانچواں حصہ اِن احادیث پر مشتمل ہے:

ما ضعف إسناده لنقص حفظ الراوي فمثل هذا.

''جس کی سند میں کسی راوی کے حفظ کی کمزوری یا اس

☆ خطاب نمبر: Ba-127، مقام: جامع المنہاج، بغداد ٹاؤن، مورخہ: 09 اکتوبر 2017ء، ناقل: محمد خلیق عامر

کی مثل کسی وجہ سے ضعف ہو۔‘‘

ایسی احادیث کو روایت کر کے امام ابو داؤدؒ نے ان پر زیادہ تر سکوت اختیار کیا ہے یعنی ان کو رد نہیں کیا۔ امام ابو داؤدؒ کا حدیث کو روایت کر کے کسی ایک راوی کے حفظ کے نقص کے باوجود اُس پر سکوت اختیار کرنا اُس کو درجۂ قبولیت دیتا ہے اور آپ کی خاموشی اُس حدیث کے مقبول ہونے کی سند ہے۔

(۶) سنن ابوداؤد میں چھٹا حصہ وہ روایات ہیں جن میں:

بين الضعف من جهة الراوي.

’’راوی کی کسی ایک جہت کے ضعف کو واضح کر دیا۔‘‘

یعنی یہ بیان کر دیا کہ یہ ضعف ہے اور پھر حدیث کے اُس مرتبے کو بیان بھی کر دیا۔ ایسی روایات کو بیان کرتے ہوئے امام ابو داؤدؒ اُس حدیث کو شہرت مل جانے کے سبب خاموش رہے۔ شہرت کا مطلب ہے تلقی بالقبول اور عمل الفقهاء، یعنی علماء، ائمہ اور اہلِ علم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ گویا اگر کسی روایت کو شہرت مل جائے تو بھی وہ حدیث درجہ صحیح پر چلی جاتی ہے اور اُس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں:

الأحاديث التي وضعتها في كتاب السنن أكثرها مشاهير.

’’میں نے اپنی کتاب (سنن) میں جو احادیث روایت کی ہیں، اُن میں سے اکثر درجۂ شہرت کی ہیں۔‘‘

(۷) سنن ابی داؤد کے لیے اخذِ حدیث کے اصول کو بیان کرتے ہوئے امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ان احادیث کو بھی درج کیا ہے:

وإن من الأحاديث في كتابي السنن ما ليس بمتصل وهو مرسل ومدلس وهو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث.

ایسی ضعیف حدیث جو مرسل یا مدلس ہے اور متصل نہیں ہے مگر اُس باب میں صحاح میں سے کوئی صحیح حدیث میسر نہیں تو ائمہ حدیث کے ہاں اُس حدیث کو لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوجاتا ہے۔ ورنہ اس شرعی حکم پر خاموشی رہ جائے گی اور امت کی راہنمائی نہیں ہوگی۔

یاد رکھیں! کوئی بھی حدیث خواہ وہ کسی بھی درجہ کی ہے، وہ منقول تو آقا ﷺ ہی کی طرف سے ہے مگر کسی ایک راوی میں حفظ یا کسی اور وجہ سے کوئی نقص رہ گیا تو اُس سند کو ضعیف کا ٹائٹل مل گیا لیکن ضعیف ہونے کا معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ روایت کذب، جھوٹ، باطل اور موضوع ہے بلکہ اُس کے اندر غالب احتمال صدق اور سچا ہونے کا برقرار ہے اور جب خارجی قرائن اُس کو تقویت دیتے ہیں تو ائمہ حدیث کے نزدیک یہ اُس کے ضعف کا ارتفاع ہے کہ ضعف ختم ہو گیا۔

درج بالا اصولوں سے امام ابو داؤدؒ کا حدیث ضعیف کے باب میں مذہب اور طریق بخوبی واضح ہوگیا ہے۔

۳۔ امام نسائیؒ کا اخذِ حدیث میں معیار

امام نسائی نے بھی اپنی ’سنن‘ میں درج ذیل تین اقسام کی احادیث جمع کی ہیں اور اس طریق پر امت اور اہلِ علم کے لیے قواعد وضع کر دیئے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے سنن نسائی کی شرح کے مقدمہ میں ان اصولوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ ذیل میں ان قواعد کو خلاصتاً درج کیا جاتا ہے:

۱۔ الصحيح المخرّج في الصحيحين

امام نسائی نے اپنی ’سنن‘ میں وہ احادیث درج کی ہیں جن کا مخرج ’صحیحین‘ ہیں یعنی وہ احادیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں۔

۲۔ صحيح على شرطهما

’سنن النسائی‘ میں مذکور احادیث کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ احادیث جنہیں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے تو روایت نہیں کیا مگر وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرائطِ صحت پر پوری اترتی ہیں۔ یہی مذہب امام ابو داؤدؒ کا بھی ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۳۔ أحاديث أخرجاها من غير قطع منهما بصحتها وقد أبانا

(امام ابوداؤد اور امام نسائی) دونوں نے اپنی کتب میں وہ احادیث روایت کی ہیں جن کی صحت پر تو قطعیت نہیں ہے

مگر دونوں نے اس حدیث کی علت واضح کر دی ہے اور اُس کے ضعف کو سمجھا دیا ہے۔ نیز حدیث کو روایت کرنے کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ اِس کو کس وجہ سے تقویت پہنچی ہے۔

امام نسائی: سخت ترین جارحِ حدیث

ابو عبد اللہ بن مندہ نے روایت کیا ہے کہ امام نسائی کا طریقہ یہ تھا کہ

أن شرطها إخراج أحاديث أقوام لم يُجْمَعْ على تركهم، إذا صح الحديث بالتصال الإسناد من غير قطع ولا إرسال

امام نسائی صرف اُس حدیث کو ترک کرتے، جس حدیث کو ترک کرنے پر تمام ائمہ اجماع کر لیتے۔

یعنی جس حدیث پر سب ائمہ جرح کرتے اور تمام کا اجماع ہو جاتا کہ اِس کو ترک کر دیا جائے اور جب کوئی حدیث اجماعاً متروک ہو جاتی تو متروک حدیث کو امام نسائی ترک کرتے۔ دوسری طرف وہ احادیث جس پر ائمہ کا اختلاف ہوتا یعنی جرح بھی ہوتی اور تعدیل بھی ہوتی، طعن بھی ہوتا اور توثیق بھی ہوتی تو امام نسائی اُس کا جائزہ لیتے کہ جرح مفسر ہے یا مبہم ہے؟ تعدیل کی تفصیل کیا ہے؟ معدلین اور جارحین میں سے زیادہ کون ہیں؟ کس کس درجے کے ائمہ نے تعدیل کی ہے؟ ان امور کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کر کے روایت کرتے۔ آپ چونکہ مجتہد ہیں، اس لیے جب مجتہد فیصلہ کرتا ہے تو وہ اُصول الحدیث کا قاعدہ بن جاتا ہے۔ یہی طریقہ امام ابو داؤدؒ نے بھی اپنایا ہے۔

یہ امر ذہن میں رہے کہ امام نسائی کی حدیث کو قبول کرنے کی شرائط امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ امام نسائی کے تلامذہ میں سے کسی سے پوچھا گیا کہ فلاں فلاں حدیث امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ نے لی ہے مگر اُن رواۃ کو امام نسائیؒ نے نہیں لیا؟ تلامذہ نے جواب دیا کہ امام نسائیؒ اُن راویوں کو لینے میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ جرح کرنے والوں کے تین طبقے ہیں:

۱۔ متشددین (سخت)　　۲۔ متوسطین (معتدل)
۳۔ متساہلین (نرم)

امام نسائیؒ کا شمار سخت جارح طبقہ میں آتا ہے۔ امام نسائیؒ اگر کسی راوی کو لے لیں تو سمجھیں کہ اُن کا لے لینا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے لے لینے سے کم درجے کا نہیں ہے بلکہ اُن سے بھی زیادہ احتیاط کا حامل ہے جبکہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ معتدلین میں ہیں۔ ان کا شمار جرح میں سخت لوگوں میں ہوتا ہے اور نہ نرم لوگوں میں بلکہ وہ درمیانی جرح کرتے ہیں۔

امام نسائیؒ اور امام ابو داؤدؒ کا مذہب ایک ہے مگر امام نسائیؒ، امام ابوداؤدؒ سے بھی احسن ہیں۔ ان کا درجہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے ساتھ آتا ہے۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام نسائیؒ کے متعدد شیوخ بھی مشترک ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بعد صحت میں تیسرا درجہ سنن نسائی کا ہے۔ اس لیے کہ سنن نسائی میں عدد کے اعتبار سب سے کم ضعیف احادیث ہیں اور سب سے کم مجروح رجال سنن نسائی میں ہیں۔ یعنی امام نسائیؒ کے وہ رجال عدداً کم تر ہیں جن پر جرح ہوئی اور وہ احادیث جن پر ضعف کا حکم ہوا، وہ بھی تعداد کے اعتبار سے کم ترین ہیں۔ اس سے امام نسائیؒ کی قبولیتِ حدیث کے باب میں احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام ابو زرعہ الرازی نے کہا کہ پوری سنن نسائی میں مجھے تیس احادیث ملی ہیں جن کو ضعیف کہا جا سکتا ہے۔ بعض دیگر علماء نے کہا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے، اِس کا معنیٰ یہ نہیں کچھ اور ہے۔ مقصد بات کرنے کا یہ تھا کہ اِس حد تک ائمہ نے اِن کے مراتب کو بیان کیا ہے۔

سنن نسائی کے اس مقام و مرتبہ کو جان لینے کے بعد اب یہ کہنا کہ حدیث صحیح صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں تو سنن نسائی کو کس درجے میں رکھیں گے؟ سنن ابو داؤد کو کس درجے میں رکھیں گے؟ سنن ترمذی کو کس درجے میں رکھیں گے؟ یہ ساری کتب، ہزار ہا احادیثِ صحیحہ کے ذخائر ہیں۔ ان کے بعد صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مستخرجات اور مستدرکات ہیں۔ پھر صحیح ابن حبان ہے، حاکم کی مستدرک ہے، صحیح ابن خزیمہ ہے۔ پھر وہ کتابیں ہیں جنہیں اجل ائمہ نے تالیف کیا اور اُنہیں صحیح کا نام دیا۔ بلاشبہ وہ درجہ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم

جیسی نہیں ہیں مگر جن ائمہ نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بعد کسی اور کتاب کو بھی صحیح کا لقب دیا، وہ ائمہ بذاتِ خود اور ان کا معیارِ اخذ ان کتب کے صحیح ہونے کے لیے سند ہیں۔

۴۔ امام ابن ماجہ کا اخذ حدیث میں معیار

سنن ابن ماجہ کی کیفیت یہ ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنی 'سنن' میں بتیس (۳۲) کتب شامل کی ہیں۔ کئی ابواب کے مجموعے کو کتاب کا نام دیتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ کے پندرہ سو (۱۵۰۰) ابواب ہیں اور تقریباً چار ہزار احادیث اس میں مذکور ہیں۔ ان میں سے بیشتر احادیث وہ ہیں جن کو امام بخاریؒ نے روایت کیا یا امام مسلمؒ نے روایت کیا یا امام ابو داؤدؒ نے یا امام نسائیؒ نے یا امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ وہ تمام احادیث اور رواۃ جو بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ترمذی کے ہیں، وہی رواۃ ابن ماجہ کے بھی ہیں۔ لہٰذا اِن رواۃ پر تو کلام نہیں ہے۔ بے شک احادیث اُنہوں نے الگ روایت کیں مگر رواۃ وہی ہیں، جن پر کلام اور طعن نہیں ہے۔

اِس لیے کئی ائمہ نے سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا۔ وہ رواۃ جو اوپر کی پانچوں کتابوں کے نہیں ہیں اور جن میں ابن ماجہ منفرد ہیں، اُن میں طعن اور ضعف کی بات آئی ہے۔ بعض نے سنن ابن ماجہ کے ایک ہزار رواۃ پر ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ سنن ابن ماجہ میں بھی امام ابن ماجہ نے ضعیف روایات کو قبول کرتے ہوئے انہیں بیان کیا ہے۔

خلاصۂ کلام

حدیث ضعیف کے حوالے سے ہم تفصیلی گفتگو کر چکے کہ 'ضعیف' کا معنی ہرگز 'موضوع' نہیں ہے۔ ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے اور جہاں احکام اور معاملات میں صحیح اور حسن دستیاب نہ ہو وہاں بھی مقبول ہے۔ جملہ ائمہ کرام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ حدیثِ ضعیف کو قبول کرتے۔ یہ ائمہ وہ ہیں جنھوں نے قبولِ حدیث یا ردِ روایت کے قواعد وضع کیے ہیں۔ یہ ائمہ؛ علم کے ستون ہیں، جن پر پورے علمِ حدیث کا مدار ہے۔ لہٰذا حدیثِ ضعیف کے باب میں ان ائمہ کے اقوال اور ان کا حدیثِ ضعیف سے استدلال حدیثِ ضعیف کی قبولیت و مقبولیت کا صراحتاً اظہار ہے۔ (جاری ہے) ❁❁❁❁

حضور قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی ﷫ کی بڑی ہمشیرہ محترمہ کا اِنتقال

گذشتہ ماہ شیخ الاسلام کے شیخ و مربی اور تحریک منہاج القرآن کے روحانی سرپرست شہزادہ غوث الوریٰ، شیخ المشائخ، قدوۃ الاولیاء حضور سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادی ﷫ کی بڑی ہمشیرہ محترمہ دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف اِنتقال فرما گئی ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ان کی رحلت پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کہا کہ پوری دنیا میں تحریک منہاج القرآن کے لاکھوں وابستگان خانوادہ غوث الوریٰ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ غم کی اس گھڑی میں امی جان حضور، صاحبزادہ پیر السید محمود محی الدین القادری الگیلانی، صاحبزادہ پیر السید عبد القادر جمال الدین القادری الگیلانی، صاحبزادہ پیر السید محمد ضیاء الدین القادری الگیلانی، شہزادیوں اور جملہ اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہدایات پر دنیا بھر میں موجود تحریک منہاج القرآن کے رفقاء اور تنظیمات نے مرحومہ کی بلندیِ درجات کے لیے قرآن خوانی اور دعائیہ تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ ماڈل ٹاؤن میں مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ دعائیہ تقریب میں صاحبزادہ پیر السید احمد نور الدین القادری الگیلانی نے خصوصی شرکت کی۔ اس تقریب میں تحریک منہاج القرآن کی جملہ مرکزی قیادت اور عقیدت مندوں و دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات نے شرکت کی اور مرحومہ کی درجات کی بلندی کے لیے خصوصی دعا کی گئی۔

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

نکاح میں ولی کا مسئلہ، قرآن و حدیث کی روشنی میں

”ولی بالغ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا“

احناف کے نزدیک عاقل، بالغ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

قرآن کریم میں نکاح کی نسبت صرف لڑکے اور لڑکی کی طرف کی گئی ہے۔ تاہم احادیثِ مبارکہ میں باپ دادا یا دوسرے بزرگوں سے اجازت و مشورہ لینے کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ مسئلہ بھی بہت بگڑ گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قرآن و سنت کے احکام سے لوگوں کی لاعلمی اور خاندانی رسم و رواج کی اندھی تقلید ہے۔ ہر عاقل و بالغ لڑکے لڑکی کو جس طرح اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسی طرح اپنی ذات کے فیصلوں کا بھی ہے۔

ساری عمر ہاتھ پکڑ کر کوئی نہیں چلتا ہے۔ بیاہ شادی میں بھی ان کی مرضی بنیادی شرط ہے۔ والدین کو بھی ان کے جذبات و میلان کا لحاظ کرنا چاہیے۔ ساری عمر انہوں نے ایک ساتھ چلنا ہے۔ والدین خوامخواہ جبر نہ کریں۔ یونہی بالغ اولاد بھی والدین سے مشورہ و اجازت سے بے پرواہ ہو کر اتنا بڑا فیصلہ نہ کریں۔ دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور ان کا لحاظ دوسرے پر فرض ہے۔ اگر والدین کی تجویز موزوں ہے تو وہ اولاد کو پیار اور دلیل سے سمجھائیں اور قائل کریں۔ اگر اولاد کا خیال بہتر ہے تو وہ دلیل و ادب سے والدین کو قائل کریں۔ تاکہ باہمی اتفاق و محبت سے شادی کے معاملات طے پائیں اور عمر بھر ایک دوسرے کی محبت، موافقت، ہمدردی و تعاون اور خوشگوار ماحول موجود رہے۔

اسلام نے دونوں کی ضرورت و حقوق کو ملحوظ رکھ کر راہِ عمل متعین کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا.

”اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔“ (النساء، ۴: ۳)

اس آیتِ کریمہ میں نکاح کی نسبت لڑکے اور لڑکی کی طرف کی گئی ہے (کیونکہ لڑکی کی رضا و اجازت لازمی ہے) لہٰذا پسند کی شادی (Love Marriage) قرآن کی رو سے ہر لڑکے لڑکی کا حق بلکہ فرض ہے کیونکہ یہ شرعی امر ہے۔ قرآن مجید میں درج ذیل مقامات پر بھی نکاح کی نسبت لڑکے لڑکی کی طرف کی گئی ہے:

۱. وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.

''اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں'' (النساء، ۴: ۲۲)

۲. وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ.

'اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔'' (البقرہ، ۲: ۲۲۱)

۳. فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ (البقرہ، ۲: ۲۳۰)

''پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) بھی طلاق دے دے تو اب ان دونوں (یعنی پہلے شوہر اور اس عورت) پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر وہ (دوبارہ رشتۂ زوجیت میں) پلٹ جائیں بشرطیکہ دونوں یہ خیال کریں کہ (اب) وہ حدودِ الٰہی قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں جنہیں وہ علم والوں کے لیے بیان فرماتا ہے۔''

یہاں بھی نکاح کرنے کی نسبت عورت کی طرف ہے، ولی کی طرف نہیں۔

۴. فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ. (البقرہ، ۲: ۲۳۲)

''تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے (پرانے یا نئے) شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔''

یہاں بھی طلاق یافتہ عورتوں کو پسند کے خاوند سے شادی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

۵. فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (البقرہ، ۲: ۲۳۴)

''جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں۔''

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لا تنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر تستاذن. قالو! يارسول الله ﷺ كيف اذنها قال ان تسكت.

''غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام ؓ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ (وہ شرماتی ہے) فرمایا: اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔'' (متفق علیہ)

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فذهبوا جمعيا الى انه لا يجوز تزويج البالغة العاقلة دون اذنها

''علماء اس طرح گئے ہیں کہ عاقل بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔''

۲۔ حضرت ابن عباس رضی ؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نے رسول پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میرے باپ نے میری ناپسندیدگی کے باوجود میرا نکاح کر دیا۔

فخيرها النبي (ﷺ)

سو رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو (قبول یا رد کرنے کا اختیار دے دیا) (ابوداؤد)

۳۔ ایسا ہی واقعہ خنساء بنت خذام سے پیش آیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا نکاح رد کردیا۔ (بخاری)

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عاقل بالغ لڑکا لڑکی خود مختار ہیں اور اپنی مرضی سے نکاح کر سکتے ہیں اور کوئی ان پر جبر نہیں کرسکتا تو اب ایک دوسرے پہلو کا خیال بھی لازم ہے۔ مسلم گھرانہ مثالی ہوتا ہے۔ یہاں ہر ایک کے حقوق محفوظ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین اور بزرگوں کے بھی اولاد پر کچھ حقوق ہیں۔ لہٰذا والدین کے جائز جذبات و خواہشات کا

لحاظ و پاس رکھنا بھی ممکن حد تک لازم ہے۔ یہ بات بڑی شقاوت و سنگدلی ہے کہ جن والدین کی محنت و محبت سے انسان پلتا بڑھتا اور ترقی کرتا ہے۔ بیاہ شادی کے معاملہ میں ان کی رضامندی و مشورے کو اہمیت ہی نہ دی جائے اور ان کو اس موقع پر ناراض کر دیا جائے۔ لہٰذا ان کے حقوق، جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا اور ان سے رہنمائی لینا خوش بختی ہے۔

فقہاء کے اقوال کی روشنی میں

احناف کے نزدیک عاقل بالغ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے اور قرآن و حدیث کے تمام دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح باطل ہے، ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ایما امراة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل فان دخل بها فلها المهر لما استحل من فرجها فان اشتجر وا فالسلطان ولی من لاولی له.

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجه، دارمی)

”جو عورت اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اب اگر اس نے اس سے صحبت کرلی تو اس عورت کو مہر ملے گا کیونکہ اس نے اس کی شرمگاہ حلال کی ہے۔ پھر اگر (سرپرست) اختلاف کریں تو حاکم ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔“

یہ مذکورہ حدیث ان حضرات کی سب سے مضبوط دلیل ہے مگر غور کریں تو اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا نکاح باطل ہے، یہ زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس کے ہم قائل ہیں مگر نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی ہوجاتا ہے، اسی لئے فرمایا کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر کے قربت کرلی تو مہر پورا دینا ہوگا۔ اگر نکاح حقیقتاً باطل ہوتا یعنی منعقد ہی نہ ہوتا تو نہ عورت حلال ہوتی، نہ نکاح ہوتا، نہ حق مہر لازم ہوتا۔

☆ فقہائے احناف فرماتے ہیں:

ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد علیها ولیها بکرا کانت اوثیبا عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله فی ظاهر الروایة.

(ہدایہ مع فتح القدیر، ۳: ۱۵۷)

”آزاد، عقلمند بالغ عورت کا نکاح اس کی رضا سے ہو جاتا ہے خواہ اس کا ولی نہ کرے۔ کنواری ہو یا ثیبہ۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ظاہر روایت میں۔“

☆ امام محمد کے نزدیک ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

☆ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوتا۔ ہاں، اگر ولی اجازت دے دے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ خواہ کفو میں نکاح کرے خواہ غیر کفو میں۔ ہاں، ولی کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہے۔

☆ **ولا یجوز للولی اجبار البکرا البالغة علی النکاح**

(ہدایہ مع فتح القدیر، ۳: ۱۶۱)

”ولی بالغ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا۔“

احناف نے کفو میں چھ شرطیں رکھی ہیں:

۱۔ نسب ۲۔ اسلام ۳۔ پیشہ

۴۔ آزادی ۵۔ دیانت داری ۶۔ مال

کفو کا مفہوم صرف یہ ہے کہ رشتے بے جوڑ نہ ہوں۔ تاکہ ہمیشہ برقرار رہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل امور بھی پیش نظر رہیں:

۱۔ مذکورہ چھ شرائط قرآن و حدیث کی نص میں نہیں۔ فقہائے کرام نے موافقت کی چند باتیں منتخب کردیں۔ لہٰذا منصوص و غیر منصوص کا فرق نظر میں رہے۔

۲۔ مذکورہ احادیث میں مال و جمال و نسب کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی بلکہ دین کو دی گئی ہے۔

۳۔ محرمات کے علاوہ کوئی مسلمان کسی مسلمان یا کتابی عورت سے باہمی رضامندی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

۴۔ لڑکی کا ولی یا وارث غیر خاندان وغیرہ پر اعتراض کریں تو کفو کا مسئلہ پیدا ہوگا ورنہ میاں بیوی راضی ہوں تو یہ معاملہ بھی نہیں ہے۔

قرآن کے صریح احکام اور احادیث صحیحہ صریحہ کے مقابلہ میں کسی کا قول کوئی حجت نہیں رکھتا۔

نابالغ کے نکاح کا مسئلہ

اگر والد یا دادا نابالغ کا نکاح کردیں تو پھر بلوغت پر اختیار رہتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں قرآن مجید کی درج ذیل دو آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔(النساء، ٤: ٣)

''ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء، ٤: ٦)

''اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔''

پہلی آیتِ کریمہ میں پسند کی شادی کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پسند میاں بیوی کی پسند ہے، قرآن نے پسند کی شادی کا حکم دے کر مرد و زن پر احسان عظیم کیا۔ مگر ہمارے معاشرے میں پسند یا ناپسند لڑکے لڑکی کی نہیں، صرف ماں باپ کی دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ شادی والدین کے مشورے اور رضامندی سے کرنی چاہیے، مگر والدین کو بھی قرآن کریم کے ان احکام کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور اپنی مرضی کو اولاد پر ٹھونسنا نہیں چاہئے۔ اس لیے کہ یہ ان کے مستقبل کا سوال ہے۔

دوسری آیت کریمہ میں حدِ نکاح تک پہنچنے کا بیان ہے، جس سے واضح ہوا کہ نکاح بلوغ کے بعد ہونا چاہئے۔ نابالغ کا نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارا معاشرہ ان دونوں احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اولاً جبراً نکاح کردیتے ہیں اور بچوں کی رضامندی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ثانیاً مدتِ نکاح تک پہنچنے سے پہلے نابالغوں کے نکاح کردیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر شادیاں ناکام ہوتی ہیں۔

نابالغ لڑکے یا لڑکی یا دونوں کا نکاح جب باپ یا ان کا دادا کردے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے اور لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اسے توڑنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اب چونکہ نکاح ہوچکا ہے، لہٰذا اب اس لڑکے سے طلاق لیے بغیر دوسری جگہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا رشتہ دار نابالغ کا نکاح کرے تو بالغ ہونے کے بعد لڑکا لڑکی کو اس نکاح کو برقرار رکھنے یا توڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجها غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ وهذا عند ابی حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى و يشترط فيه القضاء (فتاویٰ عالمگیری، ١: ٢٨٥)

''اگر نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح باپ دادا نے کیا، تو بالغ ہونے کے بعد ان کو توڑنے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر ان کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا تو ان میں سے ہر ایک کو بالغ ہونے پر اختیار ہے، چاہے تو نکاح برقرار رکھے اور چاہے تو توڑ دے اور یہ ابوحنیفہ و محمد رحمہما اللہ کا مسلک ہے اور قاضی کا فیصلہ اس میں شرط ہے۔''

کسی نابالغ کا باپ دادا کا کیا ہوا نکاح شرعی و قانونی چونکہ برقرار ہے۔ خاوند نے طلاق نہیں دی چونکہ طلاق دینے کا اختیار صرف خاوند کو ہے جس کے قبول کرنے سے نکاح ہوا تھا، اسی کے طلاق دینے سے نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

''نکاح کی گرہ اسی (خاوند) کے ہاتھ میں ہے۔''

لہٰذا خاوند کے ہوتے ہوئے کسی کو تنسیخ کی اجازت نہیں۔

❁❁❁❁❁

عبادات و معاملات میں حُسن و نظم کا اہتمام

اللہ نے ہر چیز کو مضبوط اور مستحکم بنایا

آسمان ہزار ہا صدیوں سے تنا ہوا ہے اس کا کوئی گوشہ ڈھیلا نہیں ہوا

ہر چیز میں حسن و نظم کا اہتمام اللہ کی طرف سے لازم ہے

حصہ اول

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

ہر کام میں مقدور بھر خوبصورتی اور مضبوطی کا اہتمام، اسے پوری فنی مہارت سے سرانجام دینا اور اسے درست کرنا سنتِ الٰہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

صُنْعَ اللهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ. (النمل، ۲۷:۸۸)

’’(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے۔‘‘

علامہ راغب اصفہانیؒ کے نزدیک ’’صُنْعَ‘‘ کا معنی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں۔ اس لیے ہر صُنْعَ کو فعل تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر فعل کو صُنْعَ نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات اور جمادات کی طرف صُنْعَ کے بجائے فعل کا لفظ منسوب کیا جاتا ہے۔

اسی طرح متعدد مفسرین نے ’’اَتْقَنَ‘‘ کا معنی ’’اَحْكَمَ‘‘ (اس نے مضبوط بنایا) اور ’’اَحْسَنَ‘‘ (اس نے خوبصورت بنایا) کیا ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای احكمه ومنه قول النبي ﷺ: رحم الله من عمل عملا فاتقنه وقال قتادة معناه احسن كل شئى والاتقان الاحكام. (الجامع الاحكام القرآن، ۱۳:۲۱۹)

’’یعنی اللہ نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ اس معنی میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ’’اللہ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے کوئی کام کیا تو اسے پوری فنی مہارت سے سرانجام دیا۔‘‘ اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے: اس نے ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور اتقان کا معنی ہے: احکام (مضبوطی سے بنانا یا کرنا۔)‘‘

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’کسی چیز کو حکمت و مہارت سے مضبوط بنانے کو عربی میں ’’اتقن‘‘ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بنائی اسے ایسا مضبوط اور مستحکم بنایا کہ وقت سے پہلے بوسیدگی یا ٹوٹ پھوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ آسمان ہزاروں صدیوں سے یونہی تنا ہوا ہے، اس کا کوئی گوشہ ڈھیلا نہیں ہوا۔ کوئی جگہ مرمت طلب نہیں۔ اس کی بنائی ہوئی کسی چیز کو دیکھو۔ پانی کی مقدار جو اس نے پہلے دن پیدا فرمائی ہے، ساری دنیا اسے استعمال کررہی ہے لیکن اس کی تعداد میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی مزید پانی بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہوا کا جو ذخیرہ روزِ اول سے فراہم کیا گیا، ساری چیزیں اس میں سانس لے رہی ہیں لیکن اس میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ ہر چیز تمہیں بتارہی ہے کہ وہ ’’صُنْعَ اللهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ‘‘ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ (ضیاء القرآن، ۳: ۴۶۹، حاشیہ نمبر ۱۰۲)

مذکورہ صراحت اور تفصیل کے مطابق ہر کام میں خوبصورتی اور مضبوطی و پختگی کو مدنظر رکھنا جب سنتِ الٰہی ہے تو صوفیہ کے مشہور قول ’’تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ‘‘ کے مطابق ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ صنعت و حرفت، صنعتی پیداوار، ہر قسم کی چھوٹی بڑی مصنوعات کی تیاری اور روزمرہ کے دیگر کاموں میں ایسی کاریگری، فنی مہارت، نفاست، دیانت داری اور امانت

داری کا ثبوت پہنچائے جس سے ملک و ملت کا نام روشن ہو اور اس کی تیار کردہ چیز میں کسی دور بین سے بھی کوئی ملاوٹ، خامی اور نقص نظر نہ آئے۔

عام مشاہدہ اور تجربہ یہی ہے کہ دنیا کے جس کام میں بھی ’’اتقان‘‘ (مضبوطی و خوبصورتی) کو ملحوظ نہ رکھا جائے، چاہے وہ تعلیم ہو، صنعت و حرفت ہو، تجارت ہو، نظامِ حکومت ہو، نظامِ معاشرت ہو تو اس عدمِ اتقان کا نتیجہ بالآخر اس کام کا انحطاط، خرابی، بگاڑ اور نقصان کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

خوبصورت اور معیاری زرہیں بنانے کا حکمِ الٰہی

اللہ کریم اپنی سنت اور طریقہ کے مطابق اپنے بندوں سے بھی اس بات کا تقاضا فرماتا ہے کہ جب وہ کوئی کام کریں یا کوئی چیز تیار کریں تو اس میں خوبصورتی، معیار، مضبوطی اور نفاست کو ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ اللہ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤدؑ کے لیے معجزانہ طور پر جب لوہا آٹے کی طرح نرم کردیا اور انہیں زرہ سازی کا فن سکھایا تو اس فن کی باریکی اور فنی مہارت کے مظاہرہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ ۔ (سبا، ۳۴:۱۱)

’’(اور ارشاد فرمایا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو۔‘‘

امام راغب اصفہانی کے نزدیک قَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ کے معنی یہ ہیں کہ مضبوط اور محکم زرہیں بناؤ (مفردات القرآن، اردو ترجمہ از مولانا محمد عبدہ فیروز پوری، ۲: ۸۳۲۔ زیر مادہ القدرۃ)۔

اس حکمِ الٰہی کی مزید وضاحت اور تشریح میں حضرت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں:

ان آیات میں ہمارے لیے دو سبق ہیں:

۱۔ دستکاری میں قطعاً کوئی عیب نہیں، اپنے ہاتھ سے روزی کما کر کھانا، پیغمبروں کا شیوہ ہے۔

۲۔ جو کام کرو، اسے بڑے سلیقہ اور ہنر مندی سے کرو، جو چیز بناؤ اس میں پختگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے ادبی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیبا نہیں۔ کاش ہم قرآن کی بتائی ہوئی ہدایات پر چلیں تو ہماری صنعت و حرفت کو چار چاند لگ جائیں۔ ہر منڈی میں ہماری مصنوعات کی مانگ بڑھ جائے۔ ہماری ہنر مندی اور فنی مہارت کی دھاک بیٹھ جائے اور ساتھ ہی ساتھ ہماری معاشی حالت بھی قابلِ رشک ہو جائے۔ آج ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے ان ہدایات پر عمل کرنے کی کبھی کوشش کی ہو۔ (ضیاء القرآن، ۴: ۱۱۴، حاشیہ نمبر ۱۶)

ہر چیز میں حسن و نظم کا اہتمام اللہ کی طرف سے لازم

اللہ کے رسول ﷺ کو جملہ امور میں حسن و نظم اس لیے پسند تھا اور آپ ﷺ اس کا اس لیے اہتمام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر چیز حتی کہ بظاہر غیر ضروری اور عدمِ توجہ کے لائق کاموں میں بھی لازم ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد متعدد محدثین نے الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ. (مسلم: الجامع الصحیح، کتاب الصید والذبائح، باب الامر باحسان الذبح والقتل، ۲: ۱۵۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان (حسن کاری، اچھی طرح کام سرانجام دینا) کو واجب ٹھہرایا ہے پس جب تم (کسی دشمن کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو (یعنی اسے کم سے کم تکلیف ہو، مثلہ نہ کرو۔ اعضاء نہ کاٹو، دشمن کو تکلیف پہنچانا مقصود نہیں بلکہ اس کی قوت کو توڑنا مطلوب ہے) اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اس کو اچھے طریقے سے ذبح کرو (جس سے جانور کو اذیت نہ پہنچے بلکہ کم سے کم تکلیف ہو) اور ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کرلے اور چاہیے کہ وہ اپنے ذبیحہ کو یوں راحت پہنچائے۔‘‘

اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ حسن و جمال کے قالب میں ڈھالے بغیر اسلام نہیں چاہتا کہ کسی مسلمان سے کوئی فعل بھی صادر ہو۔ سب سے آخری کام جس میں حسن کاری کا آدمی خیال نہیں کرسکتا، وہ قتل اور ذبح کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے مگر جب ان افعال میں بھی پیغمبر اسلام ﷺ کا حکم ہے کہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ صناعات اور کاری گریاں جن

میں عموماً آدمی کی فطرت تناسب و جمال کو چاہتی ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر کیا ہوسکتا ہے۔ حسن پسندی حضور نبی اکرم ﷺ کا صرف ذاتی ذوق نہ تھا بلکہ ہر چیز میں حسن پیدا کرنے کو اللہ نے بندوں پر واجب کیا ہے۔

پختہ کاری۔ اللہ کو پسند

ہر کام میں حسن کاری، پختہ کاری اور فنی مہارت کا باہمی ثبوت پہنچانا (اتقان فی العمل) جہاں ازروئے قرآن اللہ جل شانہ کی صفت وسنت ہے وہاں یہ امر اللہ کو بندوں کی طرف سے مطلوب بھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ان العبد اذا عمل عملاً احب الله ان یتقنه.

(علی متقی ہندی: کنزالعمال، کتاب الموت ، قسم الاقوال فی الدفن، رقم: ۴۲۳۹۵)

''بے شک بندہ جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ اس کو پختہ طریقہ سے کرے (یعنی اسے ٹھیک اسی طرح سرانجام دے جیسا کہ اسے ہونا چاہیے)۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کام کو سر کا بوجھ اتارنے اور خانہ پُری کے طور پر سرانجام دینا اور اس کے لیے درکار تمام تقاضوں، آداب، شرائط اور لوازمات کو ملحوظ نہ رکھنا، اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ اب جو کام اللہ کی پسند کے مطابق نہ ہوگا اس میں برکت، پائیداری، استحکام اور نفع کہاں سے آئے گا۔

حسن کار لوگ۔ اللہ کو پسند

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی اپنے دین اور دنیا کے ہر کام کو پوری دیانت، محنت، لگن، ذوق شوق، فنی مہارت اور حسن وخوبی سے سرانجام دیتا ہے تو وہ اس وصف اور خوبی کی وجہ سے اللہ کا محبوب اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ. (البقرہ،۲: ۱۹۵)

''اور نیکی اختیار کرو، بے شک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احسان کا یہ وصف انفرادی طور پر جس آدمی میں ہو یا اجتماعی طور پر جس قوم میں پایا جائے، اللہ اس قوم یا ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس میں اسلام کی بھی قید نہیں، غیر مسلم لوگ بھی جب اس وصف سے متصف ہوں گے جیسا کہ غیر مسلم اقوام اور یورپین ممالک میں دیکھنے میں آرہا ہے تو اس اعتبار سے اللہ انہیں بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا۔ دنیا میں ان کا عروج اور ہر میدان میں ترقی شاید اسی پسندیدگیٔ خدا کا ثمر ہے۔ ایک آدمی بظاہر کلمہ گو اور مسلمان ہو مگر اس کے ہر کام اور صنعت و پیداوار میں دو نمبری ہو، ملاوٹ، ناقص میٹریل کا استعمال اور فنی مہارت سے عاری ہونا اس کی عادت ہو تو وہ اس بے ایمانی، دو نمبری، ہیرا پھیری، فراڈ اور دھوکہ کی موجودگی میں صرف اسلام کی بنیاد پر اللہ کی پسند کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کرسکتا۔ ایسے نام نہاد مسلمانوں کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے ذلت وخواری، مجبوری ومقہوری، غلامی وکمزوری اور بدنامی کے سوا کیا حاصل ہوسکتا ہے۔

ترجو النجاة ولم تسلك مسالكها

ان السفینة لا تجری علی الیبس

''تو نجات کی امید رکھتا ہے مگر اس کے متعین راستوں پر نہیں چلتا (یاد رکھو) بے شک کشتی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔''

روزمرہ کے کاموں میں خوبصورتی اور عمدگی کا لحاظ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں

حدیث و سیرت اور شمائل و اخلاق نبوی پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حسین عادات و خصائل میں سے ایک خوبصورت عادتِ کریمہ اور خصلتِ حسنہ یا طبعی ذوق یہ بھی تھا کہ آنجناب علیہ التحیۃ والثناء دین و دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کو عملی جامہ پہنانے میں فنی مہارت، پختگی، عمدگی، نفاست، منصوبہ بندی، صفائی ستھرائی، حسنِ ترتیب، نظم وضبط، تہذیب وشائستگی، بردباری، وقار، اذیت رسانی سے گریز، احتیاط اور خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح کسی بھی چیز اور معاملہ میں ناپختگی، بدہیئتی، بدصورتی، بدنظمی، بے ڈھنگا پن اور بے ترتیبی کا مظاہرہ گوارا نہیں تھا۔ کام کو محض خانہ

بُری، جان چھڑانے، صرف کارروائی ڈالنے اور سر کا بوجھ اتارنے کے انداز میں کرنا آپ ﷺ کو قطعاً ناپسند تھا۔

روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں مثلاً: رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے چالنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، نہانے دھونے اور دیگر مشاغلِ زندگی کی ادائیگی میں عمدہ و مہذب قسم کے طریق کار، قواعد وضوابط، خوبصورتی اور عمدگی کو ملحوظ رکھنا محدثین کی اصطلاح میں حسنِ ادب کہلاتا ہے۔ ہمارے محدثین نے ان آداب کو عام طور پر کتاب الآداب، کتاب الاستیذان، کتاب اللباس، کتاب الزینۃ، کتاب الترجل، کتاب الاطعمۃ، کتاب الاشربۃ اور کتاب الطہارۃ وغیرہ کے عنوانات کی روشنی میں معلمِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات اور عملی نمونہ کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے حسن ونظم کے چند مظاہر نذرِ قارئین ہیں:

۱۔ بات چیت میں حُسن پیدا کرنے کا حکم

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو ہر چیز اور ہر قول وفعل میں حسن پسند ہے۔ اسی عمومی مزاج کے تحت اسلام کا تاکیدی مطالبہ ہے کہ آدمی کی زبان سے جو بات نکلے یا اس کے نوک قلم پر جو الفاظ، جملے اور تراکیب آئیں، ان میں حسن دکھائی دینا چاہیے یعنی ان میں مٹھاس اور خلوص ومحبت بھری ہونی چاہیے۔

اسی لیے اللہ نے حکم دیا:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا. (البقرہ،۲: ۸۳)

’’اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خُلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا‘‘۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.

’’اور آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہتر ہوں‘‘ (بنی اسرائیل،۱۷: ۵۳)

نرم و ملائم گفتگو کرنا اور میٹھی اور شیریں زبان سے کام لینا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور رضا مندی کا موجب اور لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے اور موہ لینے کا بہترین ذریعہ، انتہائی لائقِ تحسین خصلت اور کلمۃ الطیبۃ صدقۃ کے مصداق اچھی بات/کلمہ بھی ایک صدقہ ہے۔

۲۔ معمولی کاموں میں بھی خوبصورتی کی تعلیم

نبی رحمت ﷺ کی حُسن کاری اور حسن پسندی کا ذوق ہمیں روزمرہ کے عام معمولات اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی نظر آتا ہے اور یہی ذوق اور یہی مزاج آپ ﷺ اپنی امت میں بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی شفقت ہے کہ آپ ﷺ اس چیز کو امت پر لازم و واجب بھی نہیں ٹھہراتے تاکہ لوگ مشقت اور حرج میں نہ پڑ جائیں۔ بس ترغیب دے کر اپنی ذاتی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس نے (کھانے کے بعد) خلال کیا تو اسے چاہیے کہ (خلال کے ذریعے کھانے کے جو ذرات دانتوں کے درمیان سے نکلیں انہیں) پھینک دے اور جو ذرات زبان کی مدد سے دانتوں سے نکالے تو انہیں نگل لے۔ جس نے ایسا کیا تو (فَقَدْ اَحْسَنَ) اس نے بہت اچھا کیا اور جو اس طرح نہ کرسکا تو اس پر کوئی حرج (گناہ) نہیں۔ جو آدمی سرمہ ڈالے اسے چاہیے کہ طاق سلائیاں لگائے اور جس نے ایسا کیا تو (فَقَدْ اَحْسَنَ) اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا اس پر کوئی حرج (گناہ) نہیں۔ (ابن ماجہ: السنن، ابواب الطہارۃ وسننها، باب الارتیاد للغائط والبول، رقم ۳۳۷، ۳۳۸)

۳۔ تحریر وکتابت میں حسن کاری کی تعلیم

ہر کام میں حسن کاری کی جھلک دیکھنے کی خواہش کے پیشِ نظر ہی نبی رحمت ﷺ نے امت کو تحریر وکتابت میں بہتری صفائی اور عمدگی پیدا کرنے کے لیے چند اصولوں کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی چشم دید گواہی ہے کہ میں نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ کے سامنے ایک کاتب بیٹھا تھا تو میں نے آپ ﷺ کو اسے یہ ہدایت دیتے ہوئے سنا کہ:

ضع القلم علی اذنك فانه اذکر للمآل.

(ابو عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ المصابیح، باب السلام، ص:۳۹۹)

’’قلم اپنے کان پر رکھ لو کیونکہ یہ چیز انجام کار کو زیادہ یاد دلانے والی ہے۔‘‘

مفسر علامہ قرطبی نے ’’بسم اللہ‘‘ کے احکام و مسائل بیان کرتے ہوئے دوسرے مسئلہ میں لکھا ہے:

قال سعید بن ابی سکینة بلغنی ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه نظر الی رجل یکتب ’’بسم الله الرحمن الرحیم‘‘ فقال له جودها فان رجلا جودها فغفرله. (القرطبی: الجامع الاحکام القرآن، ۱:۱۲۷)

’’سعید بن ابی سکینہ کہتے ہیں کہ مجھے (ایک ذریعے سے) یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ لکھ رہا تھا تو انہوں نے اس سے فرمایا: اسے عمدگی سے لکھو کیونکہ اگر کوئی آدمی اسے عمدگی سے لکھے گا تو اس کی مغفرت کردی جائے گی۔‘‘

نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کتانی کے حوالے سے چند احادیث کا ذکر کرتے ہوئے یہ حیران کن صراحت کی ہے کہ:

’’آپ ﷺ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہوسکتا ہے جن میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کرلو۔ یا یہ کہ حرف (س) کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو۔ غالباً یہ حکم اس لیے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہیے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاد دہانی ہوجاتی ہے۔‘‘ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۱۵۹)

۴۔ کفن میں خوبصورتی کا لحاظ رکھنے کی تعلیم

حضور نبی اکرم ﷺ کے مزاج اور طبیعت میں حسن و نظم اس قدر غالب تھے کہ آپ ﷺ نے مُردوں کو پہنائے جانے والے کفن میں بھی خوبصورتی کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ’’نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا تو اس میں اپنے صحابہ میں سے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو فوت ہوگیا تھا اور جسے ناکافی کفن میں کفن دیا گیا اور رات کو دفن کردیا گیا تھا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے کسی آدمی کو رات میں دفنانے پر تنبیہ فرمائی یہاں تک کہ اس پر نماز جنازہ پڑھ لی جائے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔ علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دے۔ (مسلم: الصحیح، کتاب الجنائز، فصل فی کفن المیت فی ثلثۃ اثواب، ۱:۳۰۶)

نبی رحمت ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف رنگوں کا لباس استعمال کیا۔ اسی طرح بعض اوقات قیمتی لباس بھی۔ تاہم سفید لباس آپ ﷺ کا پسندیدہ لباس تھا کیونکہ اس میں جہاں خوبصورتی ہے، وہاں وقار کا پہلو بھی موجود ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں حتی کہ مُردوں کے کفن کے لیے بھی پسندیدہ قرار دیا۔ چنانچہ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

البسوا من ثیابکم البیاض فانها اطهر واطیب وکفنوا فیها موتاکم. (نسائی: السنن، کتاب الجنائز، باب ای الکفن خیر، رقم ۱۸۹۷)

’’تم اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ شفاف و صاف ہوتے ہیں۔ نیز ان ہی سفید کپڑوں میں اپنے مُردوں کو کفن دیا کرو۔‘‘

کسی مردہ کو کفن پہنانے میں حُسن کاری یا خوبصورتی کا لحاظ رکھنا بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ کفن کے اچھا یا برا ہونے، عمدہ یا ناقص ہونے، خوبصورت یا بدصورت ہونے کا میت کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں اور نہ اسے کسی قسم کے حسن و جمال کی ضرورت ہے، اس کے باوجود اہلِ اسلام میں حسن کاری کا عمومی ذوق اور عمومی عادت پیدا کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خوبصورت کفن پہنانے کی ہدایت فرمائی۔

(جاری ہے) ❁❁❁❁❁

شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء انصاف سے محروم

عوامی تحریک کے قیام پر ظالم اور کرپٹ اشرافیہ حواس باختہ تھی

اپریل 1990ء کے قاتلانہ حملہ اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کا ماسٹر مائنڈ ایک ہی ہے

قائد تحریک کے حکم پر لائسنسی اسلحہ رکھنے والے حفاظتی گارڈز غیر مسلح کر دیئے گئے

محمد شفقت اللہ قادری

سولہ اور سترہ جون 2014ء کی درمیانی شب رات گئے منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ واقع ماڈل ٹاؤن اور ملحقہ شریعہ کالج کے ہاسٹلز میں سوئے ہوئے نہتے طلبہ پر اس وقت کی حکومت کے پروردہ غنڈہ گرد عناصر نے شب خون مارا اور مرکزی سیکرٹریٹ کی عمارت میں واقع گوشہ درود اور مینارۃ السلام میں محوِ درود و سلام ذاکرینِ مصطفیٰ ﷺ پر سرکاری گماشتے بھیڑیوں کی مانند ٹوٹ پڑے اور جوتوں سمیت داخل ہوکر مسجد، گوشہ درود اور مینارۃ السلام کا تقدس پامال کیا۔ نہتے محوِ عبادت، شب بیدار عبادالصالحین پر بندوقوں کے بٹوں اور لاٹھیوں سے ایسے یلغار کردی جیسے سرحد پر ازلی دشمن پر دھاوا بولتے ہیں۔

یاد رہے کہ جب عابدین و ساجدین پر ظالمین لاٹھیوں، بوٹوں اور گھونسوں کی بارش برسا رہے تھے تو ساتھ ساتھ اسلحہ نکالنے کا مطالبہ بھی دہرا رہے تھے۔ بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ اگر ایسے حالات اور ایسی صورت حال میں اسلحہ ہوتا تو بھی مدافعانہ اور دفاعی لحاظ سے ایسے سرکش، گستاخ، بے ادب، بے دین حملہ آوروں کو مسجد اور گوشہ درود میں بوٹوں کے ساتھ گھس کر حملہ کرنے کی پاداش میں ضرور عبرت کا نشان بنا دینا چاہیے تھا لیکن گوشہ درود اور منہاج القرآن سیکرٹریٹ میں حفاظت پر مامور گارڈز کے علاوہ کسی کو کسی قسم کا اسلحہ لانے اور رکھنے کی قطعی اجازت نہ ہے تو پھر ان کے ناجائز اور غلط مطالبہ پر اسلحہ کہاں سے مہیا کیا جاتا۔۔۔؟

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب مسلسل کئی گھنٹے مرکزی سیکرٹریٹ کے اندر اور باہر اور گوشہ درود و سلام کے اطراف میں پولیس نے بلا جواز گھمسان کی جنگ کا ماحول بنا رکھا تھا تو بزرگ وابستگان جو حملے کا سن کر قریبی گھروں سے باہر آگئے تھے اس موقع پر ان پر اور طلبہ پر لاٹھیوں اور بندوقوں کے بٹوں سے حملہ کیا گیا تو بھرپور حملہ کے باوجود طلبہ نے اپنی دینی اور اخلاقی تربیت اور حکمِ قائد کی بجا آوری میں حملہ آوروں کی بربریت کے باوجود قانون ہاتھ میں نہیں لیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کی طرف سے وابستگان تحریک اور خصوصاً طلبہ کے لیے بہر صورت Defnesive (دفاعی) رہنے اور قانون کو قطعی ہاتھ میں نہ لینے کی سخت ترین ہدایات دی جارہی تھیں۔

شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کے پیکر امن و سلامتی ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ حکومتی گماشتوں کی اتنی بڑی دریدہ دہنی، شریدہ سری، قانون شکنی، عبادت گاہ اور گوشہ درود کی بے حرمتی پر بھی عظیم قائد کا فرمان تحریکی قائدین لاؤڈ سپیکر پر اناؤنس کررہے تھے کہ کوئی لائسنس اسلحہ ہولڈر گارڈ بھی منہاج القرآن سیکرٹریٹ کے اندر یا باہر کسی صورت میں Defensive (دفاعی) طور پر بھی فائرنگ نہیں کرے گا۔

قارئین مکرم! میں اپنے جواں سال بیٹے کے ہمراہ القادریہ میں صاحبزادگانِ قائد اور اہلِ خانہ کے ساتھ حالات کی

سنگینی ملاحظہ کررہا تھا جو حیرت زدہ مگر انتہائی پُرسکون اور مطمئن نظر آرہے تھے۔ تحریک منہاج القرآن کے ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈا پور چند دیگر قائدینِ تحریک کے ہمراہ حالات معمول پر لانے اور طلبہ اور تحریکی وابستگان کو نظم و ضبط میں Defensive رہنے، اپنا اخلاقی اور لازم دفاع قوتِ ارادی اور قوتِ ایمانی سے سرانجام دینے اور حوصلے میں رہنے سے متعلق شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ہدایات مسلسل پہنچا رہے تھے اور باہر کی صورت حال سے بھی صاحبزادگان کو آگاہ کررہے تھے۔ قائدمحترم کو لحہ بہ لحہ تازہ صورت حال سے آگاہ کیا جارہا تھا اور وہ حوصلہ میں رہنے اور فقط بغیر اسلحہ کے Defencive رہنے کی ہدایت دے رہے تھے۔

پولیس یونیفارم میں ملوث حکومتی غنڈے دوطرفہ کھیل کھیل رہے تھے، ایک طرف وہ تحریکی قائدین کو دھوکہ سے ایک قریبی گراؤنڈ میں مذاکرات میں مصروف رکھے ہوئے تھے اور دوسری طرف ہائی کمان نئے حملے اور خاص ٹارگٹ حاصل کرنے کی تیاری میں مصروف کارتھی اور حکومتی ایجنسیوں کی جانب سے رات بھر پورے لاہور ڈویژن کی پولیس فورسز کے مسلح اجتماعات اور پوری ڈویژن سے تازہ دم دستے طلب کرنے، اسلحہ اکٹھا کرنے، بکتر بند گاڑیوں کی آمد، غیر متناہی آنسو گیس سکواڈ اور دیگر گولہ بارود اور سامانِ حرب اکٹھا کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔

پاکستان کے تمام TV چینلز براہ راست رپورٹنگ اور اس حملہ کی لحہ بالحہ صورتحال سے آگاہ کررہے تھے جس سے حکومتی کارندوں اور گلوبٹوں کے بلند حوصلے اور ان کی پشت پناہی کے ہاتھ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ منہاج القرآن سیکرٹریٹ کے گردونواح میں ملحقہ مارکیٹوں میں لوٹ مار، خون ریزی اور سیکڑوں گاڑیوں کی توڑ پھوڑ کے مناظر اپنے TV سکرینوں پر پوری پاکستانی عوام براہِ راست دیکھ رہی تھی۔

رات بھر منہاج القرآن کے معدودے طلبہ اور ورکرز فقط دفاعی پوزیشن میں رہے اور تمام رات پنجاب پولیس کے اعلیٰ افسر اپنی طاقت اور تعداد بڑھانے میں مصروف رہے۔ وفاق اور پنجاب حکومت کے تمام بڑے اپنے فرائض پوری دل جمعی سے سرانجام دینے کے لیے صبح کی انتظار میں تھے۔ القادریہ پر پولیس یونیفارم میں ملبوس حکومتی غنڈے حملے کے لیے پوزیشنز سنبھال چکے تھے۔ پوری دنیا میں منہاج القرآن پر حملے کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ جب رات گئے منہاج القرآن کے چند ورکرز نے سیکرٹریٹ جانے کی کوشش کی تو انہیں شدید زدوکوب کیا گیا اور گرفتار کرکے نامعلوم جگہوں پر منتقل کردیا گیا۔ بالآخر سترہ جون کی صبح ہوئی تو پنجاب پولیس نے مذاکرات ناکام قرار دیتے ہوئے منہاج القرآن سیکرٹریٹ کی جانب جانے والے راستے بند کردیئے جبکہ نزدیکی علاقوں سے ورکرز اپنے قائد کے گھر اور سیکرٹریٹ پر حملے کے باعث القادریہ اور مرکزی سیکرٹریٹ پہنچنے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

صبح تقریباً 11 بجے وفاق اور پنجاب حکومت کے بڑوں کی ہدایات کے تحت پنجاب پولیس اپنی تازہ فورسز کے ساتھ پوری تیاری کے ساتھ القادریہ پر حملہ آور ہوئی۔ اس صورت حال میں جب نہتے جانثار قائد ہاؤس کے دفاع کے لیے آگے بڑھے تو Straight Fire کھول دیا گیا۔ شہادتوں کا آغاز گوشہ درود میں ذاکرین پر اندھا دھند فائرنگ سے کیا گیا۔ مگر مصطفوی مشن کے یہ عظیم کارکنان گولیوں کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن گئے۔

میں اپنے بیٹے عمر مصطفیٰ قادری کے ہمراہ القادریہ سے تھوڑے فاصلے پر واقع ٹیلی فون آفس تک گیا جہاں ایک نہتا معصوم 16,17 سال کا بچہ ذاتی دفاع میں بازو پر گولی کھاکر کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس بچے کی ماں موجود تھی، اس ماں نے جذبات اور محبتِ قائد میں جو کہا، اسے سن کر اور اس مصطفوی مشن اور عظیم قائد کے ساتھ کارکنان کی وابستگی اور محبت دیکھ کر میرے ایمان اور یقین میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ خاتون نے بچے کے بازو پر اپنا دوپٹہ زور سے باندھا اور کہنے لگی: یہ لوگ ظلم کررہے ہیں ظلم پر خاموش رہنا بھی ظلم ہے۔ بیٹے صرف زخمی ہوئے ہو، قائد اور منہاج القرآن کی خاطر بازو پر نہیں بلکہ سینے پر گولی کھانا اور پھر گولیوں والی جگہ پر بیٹے کو دوبارہ بھیج دیا۔

میں باہر کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد واپس القادریہ میں داخل ہوا تو گیٹ پر دو بیٹیاں بازو پھیلائے جانثاری کے جذبات اور ولولے میں نعرے لگارہی تھیں کہ ’’قائد تیرا اک اشارہ حاضر حاضر لہو ہمارا‘‘ ’’تیری بیٹیاں تیری حرمت اور تیرے گھر کی توقیر پر اپنی جان تو دے دیں گی لیکن تیری حرمت پر حرف نہیں آنے دیں گی۔‘‘

مسجد، گوشہ درود اور مرکزی سیکرٹریٹ کے گردونواح میں لاشیں گرنے اور خون کی ندیاں بہانے کے بعد پنجاب حکومت کی اندھی اور مسلح طاقت کا رخ اب مکمل طور پر القادریہ رہائش گاہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی جانب تھا۔ کئی ڈویژن کی پولیس کُمک پوری طاقت اور تیاری کے ساتھ القادریہ کی طرف پیش قدمی کرچکی تھی۔ تحریک کے سیکرٹریٹ کے دفاع اور قائد ہاؤس کی طرف پیش قدمی کو روکتے ہوئے کئی تحریکی جوان جام شہادت نوش کرچکے تھے۔

القادریہ کے باہر گھمسان کی جنگ تھی۔ قائد کے شائستہ اور مہذب کارکن ظالم کی کمین گاہ سے آنے والے گولہ بارود کو بڑی جرأت سے برداشت کررہے تھے۔

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جب محو درود وسلام اور محوعبادت الٰہی معصوم بے گناہوں کے لہو ناحق کے چھینٹے چرخِ کہن تک پھیل گئے ہوں گے تو کیا قتل گری کا شور وغوغا بارگاہِ رسالت مآب ﷺ تک شرفِ سماعت نہ پاسکا ہوگا؟ یقیناً اس بارگاہ میں یہ شہادتیں قبول ہوئیں اور جلد یا بدیر ظالم اپنے انجام کو پہنچے گا۔

میری نظر میں سانحہ ماڈل ٹاؤن درحقیقت حق و باطل کا ایک عملی معرکہ ہے۔ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ:

۱۔ القادریہ پر اطراف میں 1400 کمانڈوز کی اعلیٰ کمان کی نگرانی میں جدید ترین آتشیں سرکاری اسلحہ، Tear Gas (آنسو گیس) سکواڈ اور ان گنت بکتر بند گاڑیوں اور دیگر سامان حرب کے ساتھ یلغار کرنا اور تجدید و احیاء دین کی ایک عالمگیر تحریک کے سربراہ اور عالم اسلام میں سفیر امن کے لقب سے یاد کیے جانے والی شخصیت اور دہشت گردی کے خلاف علم وعمل کی آہنی چٹان کے گھر اور گھر والوں پر کئی گھنٹوں بلا جواز سیدھی فائرنگ، آنسو گیس کے سیکڑوں شیل پھینکنا اور بلاتعطل موت کا کھیل جاری رکھنا۔ تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ القادریہ کے اندر گھسنے کی کوشش میں قائد کی دو مجاہدات بیٹیوں (محترمہ تنزیلہ شہید صاحبہ اور محترمہ شازیہ مرتضٰی شہید) کو قائد کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنے اور یاحسین کا نعرہ لگانے پر سفاکی اور درندگی سے برسٹ مارکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کرانے کا وطیرہ باطل قوتوں ہی کا رہا ہے۔

۳۔ صرف یہی نہیں بلکہ القادریہ کے گیٹ پر سفاکی سے قتل کی جانے والی بیٹی کے بطن میں موجود بچے کو بھی کوکھ مادر میں ہی گولیاں مارکر قتل کرنا اور زخمی تڑپتے لاشے ہسپتال منتقل نہ کرنے دینا، یہ سب ہتھکنڈے حق سے خوف زدہ ہوکر باطل قوتیں ہی اختیار کیا کرتی ہیں۔

۴۔ ایمبولینس میں تڑپتے موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا خواتین و حضرات کو ہسپتال کے بجائے وادیٔ موت میں بھیجنا اور القادریہ پر گولہ بارود اور آنسو گیس کا بے دریغ استعمال ہونا کیا یہ صرف بیریئر لگانے کی وجہ سے ہوا۔۔؟ کیا یہ Law and Order نقص امن کا مسئلہ کہلائے گا۔۔؟ کیا محض بیریئر لگانے کی وجہ سے خون کی ندیاں بہادی جاتی ہیں یا مسئلہ اس خاص ذہنیت کا تھا جو اپنے مفادات اور اپنی لوٹ مار کے تحفظ کے لیے حق کی قوت کو ہر قیمت پر خاموش کرانے پر بضد تھی۔

اسے میں معرکہ حق و باطل ہی گردانوں گا کیونکہ حق محو حیرت تھا، معصوم ورکرز کے لاشے گرنے اور ظلم وستم پر پورا عالم کرب میں مبتلا تھا۔ باطل حق کو مٹانے میں کوشاں تھا۔ باطل غیر قانونی بلا جواز تسلط بے جا (Unlawful Command) کے ذریعہ دہشت پھیلائے ہوئے تھا۔

درحقیقت سترہ جون معرکہ ماڈل ٹاؤن کے بعد باطل طاغوتی، استعماری و استبدادی طاقت نہ صرف منظر عام پر آگئی بلکہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئی۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے پسِ پردہ حقائق

محترم قارئین! اس موقع پر میں سانحہ ماڈل ٹاؤن کے

چند خصوصی محرکات اور مختصر حقائق پر روشنی ڈالنا چاہوں گا جس سے موجودہ حملے کی وجوہات سے آگاہی ہوسکے گی اور پسِ پردہ مقاصد عیاں ہوسکیں گے:

سانحہ ماڈل ٹاؤن درحقیقت بیس اکیس اپریل 1990ء کی درمیانی شب القادریہ M-299 ڈاکٹر محمد طاہرالقادری پر جاں لیوا حملے کا تسلسل تھا۔ 1990ء میں حملے کے سیاہ دھبے اور سترہ جون 2014ء کے شہداء کے خونِ ناحق کے چھینٹے جن چہروں پر ثبت ہیں، وہ ایک ہی ہیں۔ دونوں حملوں کا ماسٹر مائنڈ ایک ہی گھناؤنا چہرہ ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپریل 1990ء کے القادریہ رہائش گاہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری پر حملے کے تانے بانے مکمل طور پر 2014ء سانحہ ماڈل ٹاؤن سے ملتے ہیں۔ ان محرکات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں شریف برادران کی ذہنی پستی، ریشہ دوانیاں، حسد، مفاد پرستی اور مذہبی اور سیاسی بغض وحسد شامل ہے۔

جو محرکات 1990ء کے حملہ میں کارفرما تھے، وہی محرکات اور سلگتی ہوئی سازشیں تحریک منہاج القرآن اور قائد تحریک شیخ الاسلام کے خلاف 2014ء میں بھی کارفرما تھیں۔

اپریل 1990ء میں شیخ الاسلام پر ہونے والے حملے کے محرکات درج ذیل تھے:

۱۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ نے نام نہاد دینی اور روحانی بُکل میں چھپے ہوئے پنجاب حکومت کے فرمانروا اور اس کے خاندان کے استبداد، ظلم و بربریت اور استعماری ہتھکنڈوں اور اسلام دشمن ریشہ دوانیوں کا پول کھلنے پر 25 مئی 1989ء کو موچی دروازہ لاہور میں منعقدہ تاسیس انقلاب کانفرنس میں اپنی باقاعدہ سیاسی پارٹی پاکستان عوامی تحریک کا اعلان فرمایا جس سے سلطنت شریفیہ میں بھونچال بپا ہوگیا۔

۲۔ 1988ء کے عام انتخابات میں چھانگا مانگا پلان اور ہارس ٹریڈنگ جیسے گھناؤنے کاروبار کے باعث ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا ببانگ دہل عملاً و نظریاتی طور پر اسی پلان کا حصہ نہ بننے کا اعلان کرنا اور اسے شرعاً اور اخلاقاً ناجائز قرار دینا، ان باطل قوتوں کو برداشت نہ ہوا۔

۳۔ تاسیس انقلاب کانفرنس میں پاکستان عوامی تحریک کے اعلان سے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے انقلابی اور مصطفوی نظریات اور بھرپور جدوجہد کے اعلان میں بظاہر سلطنت شریفیہ کی سیاسی بساط لپٹتی نظر آنے لگی اور سلطنت شریفیہ سے وابستہ خاندانوں اور خوشامدی ٹٹوؤں کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین حرام ہوگیا۔

۴۔ پاکستان عوامی تحریک کے باقاعدہ اعلان سے یزیدی اور قارونی سوچوں کی قلعی کھل گئی۔ جھوٹی عقیدت و ارادت کا پول کھل گیا۔ شیخ الاسلام کی عقیدت و ارادت میں ہاتھ چومنا، عقیدت کے باعث اترے کپڑے پہننا، اترے جوتے پہننا، کندھوں پر اٹھا کر غار حرا پر تن تنہا لے جانا، پھولوں کے گلدستے پیش کرنا اور والد کا مقام و مرتبہ دینا، یہ اور ان جیسے نظریات پسِ پشت چلے گئے اور یزیدی سوچ و نظریہ اپنے ذاتی و سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے حسینی سوچ و نظریہ کا حقیقی قلع قمع کرنے کے لیے کمربستہ ہوگیا۔

محترم قارئین! یہی محرکات اور نظریات 2014ء میں بھی کارفرما تھے کہ جب شیخ الاسلام نے مطلق العنانی کے شریفی بت کو پاش پاش کرنے کی سعی کی اور ملک میں ایسے بددیانت لادین نظریات کے خاتمے کا اعلان کیا تو سانحہ ماڈل ٹاؤن برپا ہوا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن بھی 1990ء کا تسلسل تھا اُس وقت بھی دھن، دھونس اور دھاندلی کی پیداوار اِن قوتوں کو شیخ الاسلام کے فکرو نظریہ کا چیلنج درپیش تھا اور آج بھی یہ شیخ الاسلام کے مشن اور فکر کی حقانیت وصداقت سے خائف ہیں۔

خوں چکاں سانحہ ماڈل ٹاؤن کو سات برس بیت گئے ہیں۔ 2014ء تا حال مقتدر حکومتی و ریاستی قوتیں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ مظلومین ماتم کناں ہیں جبکہ جملہ حکومتی و ریاستی طاقتیں عدل و انصاف سے روگردانی کی عملی تصویر بن کر رہ گئی ہیں۔ غیر جانب دار عوام الناس اس بے حسی و بے اعتنائی کو سمجھنے سے کلیتاً قاصر ہے۔ اس نابینائی، عدم گویائی اور عدم سماعت پر فقط انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جاسکتا ہے۔

❁❁❁❁❁

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 7 برس

پاکستان کی تاریخ کے اندوہناک سانحہ کا قانونی پس منظر

7 برس کے بعد بھی شہداء کے ورثاء سانحہ کی غیر جانبدار تفتیش کا حق مانگ رہے ہیں

فوری انصاف کے حوالے سے اعلیٰ عدلیہ کی ہدایات پر عمل نہیں ہونا

نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

شہدائے سانحہ ماڈل ٹاؤن لاہور کی ساتویں برسی پر جہاں ہمارے دل غم سے نڈھال ہیں وہاں ہمارے دلوں کو اطمینان بھی میسر ہے کہ شہدائے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ورثاء اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی حصولِ انصاف کی جد و جہد 7 سال کے بعد بھی پوری طاقت، عزم، استقامت کے ساتھ جاری ہے اور حصولِ انصاف کی اس جد و جہد میں شہدائے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کا شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد کا اظہار قابلِ فخر اور قابلِ تقلید ہے۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے گزشتہ 7 سالوں کا ہر دن حصولِ انصاف کی جدوجہد میں گزارا۔ الحمدللہ اس جدوجہد میں نہ قیادت کے عزم میں کوئی شکن آئی اور نہ ہی شہدائے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کے عزم و ہمت اور حوصلے کو وقت کی نمرودی ،فرعونی اور قارونی قوت متزلزل کرسکی۔

17 جون 2014ء پاکستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے جس دن نواز، شہباز حکومت نے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی رہائش گاہ اور ادارہ منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ پر جس طرح ریاستی دہشتگردی کی، پاکستان کی سیاسی و سماجی تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ اس سانحہ میں پاکستان عوامی تحریک اور ادارہ منہاج القرآن کے معصوم، نہتے اور بے گناہ کارکنوں سے ہولی کھیلی گئی۔ دہشگردی پر مبنی خونی مناظر پوری دنیا نے میڈیا چینلز کے ذریعے براہِ راست دیکھے۔ اس المناک واقعہ میں 14افراد شہید جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں اور سو سے زائد افراد کو سیدھی گولیاں ماری گئیں اور شدید زخمی کیا گیا۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا اس لیے سانحہ کے فوری بعد قتل و غارت گری میں ملوث افسران و اہلکاران کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی گئی بلکہ سانحہ میں حصہ لینے والے تمام افسران و اہلکاران کو پرکشش عہدوں سے نوازا گیا، انہیں آوٹ آف ٹرن ترقیاں دینے کے ساتھ ان کی پسند کی تقرریاں بھی کی گئیں۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن: حالیہ پیش رفت کا ایک جائزہ

اس سانحہ کے حوالے سے ہونے والی پیش رفت کا اجمالی خاکہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

ا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی غیر جانبدار تفتیش کیلئے اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان میاں ثاقب نثار کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے لارجر بینچ نے مورخہ 5 دسمبر 2018ء کو سپریم کورٹ اسلام آباد میں سماعت کی اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کی از سرِ نو تفتیش کیلئے نئی JIT بنانے کا فیصلہ ہوا اور مورخہ 3 جنوری 2019ء کو پنجاب حکومت نے اے ڈی خواجہ کی سربراہی میں JIT کا نوٹیفیکشن جاری کردیا اور نئی JIT نے مورخہ 14 جنوری 2019ء سے لیکر 20 مارچ 2019ء تک سانحہ ماڈل ٹاؤن کے تمام ملزمان بشمول اس وقت کے وزیرِ اعظم

☆ ترجمان: لیگل ٹیم سانحہ ماڈل ٹاؤن

میاں نواز شریف، سابق وزیرِ اعلیٰ میاں شہباز شریف، سابق وزیرِ قانون رانا ثنا اللہ، سابق PSO ٹو وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر توقیر شاہ، سابق آئی جی پنجاب مشتاق سکھیرا سے انوسٹی گیشن کی گئی۔ پہلی بار JIT کے سامنے سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس سے متعلق متاثرین کی طرف سے زبانی و دستاویزی شہادتوں کے ثبوت پیش کئے گئے۔ JIT نے اپنی تفتیش مکمل کرکے ملزمان کا چالان انسدادِ دہشت گردی عدالت میں پیش کرنا تھا کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ایک ملزم کانسٹیبل خرم رفیق کی درخواست پر مورخہ 22 مارچ 2019ء کو لاہور ہائیکورٹ کے فل بینچ نے JIT کا نوٹیفکیشن معطل کرکے JIT کو مزید کام کرنے سے روک دیا گیا۔

۲۔ JIT کے نوٹیفکیشن کی معطلی کے خلاف فل بینچ کے عبوری حکم مورخہ 22 مارچ 2019ء کے خلاف سپریم کورٹ اسلام آباد میں CPLAS دائر کی تھیں جس کی سماعت مورخہ 13 فروری 2020ء کو چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس گلزار احمد کی سربراہی میں 3 رکنی بینچ نے کی۔ سپریم کورٹ نے لاہور ہائیکورٹ میں نیا بینچ تشکیل دے کر ترجیحاً 3 ماہ کے اندر فیصلہ کرنے کی ڈائریکشن دی ہے لیکن JIT کی تشکیل کے خلاف جو رٹ دائر ہوئی تھیں وہ لاہور ہائی کورٹ کا 7 رکنی لارجر بینچ کے پاس ابھی تک زیرِ سماعت ہے جس کا لاہور ہائیکورٹ نے فیصلہ کرنا ہے کہ نئی JIT کی تشکیل صحیح ہوئی ہے یا نہیں؟

ازسرِ نو تحقیقات کی ضرورت کیوں؟

سانحہ ماڈل ٹاون پاکستان کی تاریخ کا منفرد کیس ہے جس میں اس وقت کے وزیرِ اعظم میاں نواز شریف، سابق وزیرِ اعلیٰ میاں شہباز شریف، سابق وزیرِ قانون پنجاب رانا ثناء اللہ، پولیس کے اعلیٰ افسران اور بیورکریٹ ملوث ہیں۔ سانحہ کے تمام ملزمان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے اور اصل حقائق کو منظر عام پر لانے کے لیے سانحہ ماڈل ٹاؤن کی ازسرنو انویسٹی گیشن ضروری ہے۔ کیونکہ:

۱۔ پہلی JIT نے جو انویسٹی گیشن کی تھی وہ حقائق کے برعکس، جانبدار اور یکطرفہ تھی۔ پہلی JIT نے حقائق کو منظرِ عام پر لانے کی بجائے اصل حقائق کو چھپایا تا کہ اصل ملزمان نواز شریف، شہباز شریف، رانا ثناء اللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ آئی جی مشتاق سکھیرا اور دیگر ملزمان جنھوں نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کی منصوبہ بندی کی تھی ان کو بچایا جاسکے۔ علاوہ ازیں وہ تمام ریکارڈ جو گورنمنٹ کے اداروں اور ان بااثر ملزمان کے زیرِ قبضہ تھا اور جس تک مدعی پارٹی کی رسائی ممکن نہ تھی، جس ریکارڈ سے مقدمہ کی تفتیش کو تقویت ملتی، اس ریکارڈ کو بھی پہلے والی JIT نے اپنی تفتیش کا حصہ نہ بنایا۔

نئی JIT نے سانحہ ماڈل ٹاؤن میں قتل و غارت گری کرنے والے تمام ملزمان بشمول سانحہ ماڈل ٹاؤن کے منصوبہ ساز میاں نواز شریف، میاں شہباز شریف، رانا ثناء اللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ و دیگر ملزمان سے مختلف پہلوؤں پر تفتیش کی تا کہ معلوم ہوسکے کہ یہ وقوعہ کیوں ہوا ہے؟ اس کے پیچھے کیا سازش کارفرما تھی؟ اس وقوعہ کے پیچھے کون کون سے سازشی عناصر موجود ہیں؟ اور یہ سازش کہاں سے چلی اور کس طرح اس سازش پر عملدرآمد ہوا؟

۲۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن JIT کی بحالی اس سانحہ کے انصاف کیلئے اشد ضروری ہے، کیونکہ اصل ملزمان نواز شریف، شہباز شریف، رانا ثناء اللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ اور دیگر ملزمان جنہوں نے اس سانحہ کی منصوبہ بندی کی تھی ان کو استغاثہ کیس میں ناکافی شہادت کی بنیاد پر انسدادِ دہشت گردی عدالت اور لاہور ہائیکورٹ نے بحیثیت ملزم طلب نہیں کیا تھا کیونکہ استغاثہ کی دائر گی کے وقت جو شہادتیں اس وقت دستیاب تھیں وہ استغاثہ میں دے دی گئی تھیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی تفتیش کیلئے بننے والی نئی JIT میں وہ تمام شہادتیں اور ثبوت فراہم کئے گئے ہیں جو ہمیں نواز ،شہباز حکومت کے جانے کے بعد ہی مل سکتے تھے۔

۳۔ پولیس نے مقدمہ نمبر 510/14 (پولیس مدعی) میں پہلی JIT کے مطابق پولیس نے ریکارڈ میں تبدیلی اور اسلحہ کی درست تفصیلات نہ دی تھیں جبکہ پہلے والی JIT جس میں دو ممبران جن کا تعلق MI اور ISI کے ساتھ تھا، ان کے علاوہ تمام ممبران پولیس افسران تھے ۔JIT نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جب پولیس سے آرمز اینڈ ایمونیشن کی تفصیلات مانگی گئی کہ کتنا اسلحہ ایشو کیا گیا؟ کتنا استعمال کیا گیا؟ اور کتنا واپس جمع کروایا گیا؟ تو پولیس نے فہرستیں دینے سے انکار کردیا جبکہ

مذکورہ بالا دو ممبران (MI,ISI) نے یہاں تک کہہ دیا کہ مقدمہ نمبر 510/14 قابلِ منسوخی ہے۔

۴۔ عبدالروف ISI انچارج ایلیٹ فورس کو پہلے والی JIT نے دوران تفتیش متعدد بار طلب کیا۔ دوران تفتیش اس نے تسلیم کیا کہ ایلیٹ فورس کی جانب 469SMG کے اور 59 راونڈ G3 رائفل کے فائر کیے گئے۔ بعد میں اگلی پیشی پر اس نے بتایا کہ ایس پی عبدالرحیم شیرازی نے اسے کہا تھا کہ ریکارڈ تبدیل کر دیا جائے۔

۵۔ پہلے والی JIT کی جانب سے CCPO لاہور کو لیٹر نمبری 449/PSSB مورخہ 30/06/14 کو بھیجا گیا جس میں تمام افسران اور جوانوں کی پوسٹنگ اور ٹیلی فون نمبرز، ایشو کردہ ہتھیار اور ان کے سیریل نمبرز اور استعمال ہونے والے ایمونیشن کی تفصیل بمطابق روزنامچہ ہائے، ٹیرگیس گنز اور ان کا مصرف اور آپریشن کے دوران کتنے ٹیرگیس شیل استعمال ہوئے، دیگر سامان کوئی بھی جو اس اپریشن کے دوران کم یا ناکارہ ہوا، اس کی تفصیل JIT کو بہم پہنچائی جائے جسکی مکمل تفصیل آج تک نہ پہنچائی گئی ہے۔

۶۔ نواز، شہباز حکومت نے پہلے والی JIT سے اپنی مرضی کے مطابق غیر منصفانہ اور بے بنیاد رپورٹ تیار کروائی کیونکہ مقدمہ میں سابق وزیر اعظم نواز شریف، سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، رانا ثناء اللہ و سابق وفاقی وزراء، پولیس افسران بطور ملزمان ایف آئی آر میں نامزد تھے۔ اس لیے بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے والی JIT نے ان نامزد ملزمان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی اور ان تمام پولیس افسران اور سابق نواز، شہباز حکومت کے بااثر افراد کو اس مقدمہ سے نکال دیا گیا اور پاکستان عوامی تحریک کے 42 کارکنان جن کو مورخہ 17 جون 2014ء کو ہی مقدمہ نمبر 510/14 (پولیس مدعی) میں گرفتار کیا گیا تھا، ان 42 کارکنان کو اپنے ہی مقدمہ نمبر 696/14 میں بھی ملزم قرار دے کر انسدادِ دہشت گردی عدالت میں چالان پیش کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان 42 کارکنان کی اپنے ہی مقدمہ نمبر 696/14 میں ضمانتیں کروائی گئیں۔

۷۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان کا ناحق چالان کرنے سے نواز، شہباز حکومت کی مکمل بددیانتی سامنے آ گئی تو استغاثہ دائر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لہذا فوری طور پر انسدادِ دہشتگردی عدالت لاہور میں استغاثہ دائر کر دیا گیا۔ استغاثہ کیس میں 56 زخمی و چشم دید گواہان کے بیانات مکمل ہونے کے بعد مورخہ 7 فروری 2017ء کو انسداد دہشتگردی عدالت لاہور نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں کانسٹیبل سے لے کر آئی جی پنجاب تک، DCO کیپٹن ریٹائرڈ عثمان، TMO نشتر ٹاؤن علی عباس بخاری، AC ماڈل ٹاؤن طارق منظور چانڈیو کو بطور ملزم طلب کر لیا تھا لیکن گورنمنٹ اور بیوروکریسی کے 12 افراد جنہوں نے اس سانحہ کی منصوبہ بندی کی تھی ان کو طلب نہ کیا گیا تو ان 12 افراد کی حد تک لاہور ہائی کورٹ میں criminal revision دائر کی جو کہ لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ نے 26 ستمبر 2018ء کو خارج کر دی۔ لاہور ہائی کورٹ کے حکم مورخہ 26 ستمبر 2018ء کے خلاف سپریم کورٹ میں Crl.P.L.A دائر کی ہوئی ہے جو کہ سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔

۸۔ اس طرح آئی جی پنجاب مشتاق احمد سکھیرا کی طلبی بھی انسدادِ دہشت گردی عدالت لاہور میں ہوئی تھی لیکن مشتاق احمد سکھیرا نے بھی اپنی طلبی کو لاہور ہائیکورٹ میں چیلنج کیا تھا۔ مورخہ 26 ستمبر 2018ء کو اس کی بھی criminal revision خارج ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آئی جی مشتاق احمد سکھیرا criminal revision خارج ہونے کے بعد انسدادِ دہشت گردی عدالت لاہور میں پیش ہوگیا جسکی وجہ سے استغاثہ کیس میں جتنا بھی ٹرائل ہوا تھا اس نئے ملزم مشتاق احمد سکھیرا کے انسدادِ دہشت گردی عدالت میں پیش ہونے کے بعد ٹرائل DE NOVO ہوگیا۔ اسی طرح نئے ملزم مشتاق احمد سکھیرا کے ATC میں پیش ہونے کے بعد مورخہ 15 اکتوبر 2018ء کو تمام ملزمان پر دوبارہ فرد جرم عائد ہوئی۔

۹۔ ٹرائل DENOVO ہونے کی وجہ سے مستغیث کا بیان انسدادِ دہشت گردی کورٹ میں دوبارہ قلمبند ہوا ہے اور ملزمان کے وکلاء نے مستغیث پر دوبارہ جرح کرنی ہے لیکن

جرح کرنے سے پہلے ملزمان کے وکیل نے سیکشن 23 انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 کے تحت درخواست گزاری ہے کہ ان مقدمات میں 7ATA کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، اس لیے ان مقدمات میں7ATA کو ختم کرکے ان کیسز کو سیشن کورٹ میں ٹرائل کے لیے بھیج دیا جائے۔ لیکن ملزمان کے وکلاء اس وقت مقدمہ میں تاخیری حربے استعمال کررہے ہیں کیونکہ پولیس اس کیس میں ملزمان میں شامل ہے۔ پولیس کو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کسی کیس کو Linger On کرنا ہے وہ تمام تاخیری حربے جو کسی مقدمہ میں استعمال ہو سکتے ہیں وہ اس کیس میں استعمال کر رہے ہیں۔لیکن آج کل کرونا وائرس کی وجہ سے ان مقدمات میں مزید کاروائی نہیں ہو رہی ہے۔

۱۰۔ جسٹس باقر نجفی کمیشن رپورٹ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین کو مل گئی تھی جس میں سانحہ ماڈل ٹاؤن میں قتل و غارت گری کرنے کا ذمہ دار پنجاب حکومت اور پنجاب پولیس کو ٹھہرایا ہوا ہے لیکن باقر نجفی کمیشن رپورٹ کے ساتھ منسلکہ دستاویزات جس میں ملزمان کے بیان حلفی، ٹیلی فون ڈیٹا ریکارڈ، حساس اداروں کی رپورٹس و دیگر دستاویزات شامل ہیں۔ وہ تمام دستاویزات جو جسٹس علی باقر نجفی کمیشن رپورٹ کے ساتھ منسلکہ تھیں، افسوس کہ وہ تمام دستاویزات سانحہ کے متاثرین کو آج تک فراہم نہ کی گئیں ہیں۔ ان تمام منسلکہ دستاویزا ت کے حصول کے لیے لاہور ہائیکورٹ میں رٹ دائر کی ہوئی ہے جو کہ ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔

۱۱۔ مورخہ 14 جون 2014ء کو شہباز شریف حکومت نے آئی جی پنجاب کو تبدیل کرکے پولیس کو کور کیا اسی طرح مورخہ 14 جون 2014ء کو DCO کو بھی تبدیل کرکے سول ایڈمنسٹریشن کو کنٹرول کیا گیا اور اسی طرح کیس کو کنٹرول کرنے کے لیے پراسیکیوشن کو بھی کو ر کیا اور وقوعہ کے دن ہی مورخہ 17 جون 2014ء کو سید احتشام قادر شاہ کی بطور پراسیکیوٹر جنرل تقرری کی گئی اور خصوصی مراعات سے بھی نواز گیا۔ اسی طرح خصوصی طور پر تعینات پراسیکیوٹر جنرل احتشام قادر شاہ کی 3 سال کیلئے خصوصی تقرری کی گئی۔ مورخہ 17 جون 2017ء کو 3 سال مکمل ہونے کے بعد پراسیکیوٹر جنرل احتشام قادر کو مزید توسیع نہ مل سکی تھی۔ مورخہ 22 جون 2017ء کو حکومت پنجاب اور وزیر اعلیٰ پنجاب نے گورنر پنجاب سے آرڈیننس جاری کروایا۔ آرڈیننس کے سیکشن6 کے تحت حکومتِ پنجاب اور وزیرِ اعلیٰ کو Amendment کا اختیار دے دیا گیا جس کے تحت پراسیکیوٹر جنرل کی مدت ملازمتِ میں مزید 2 سال کی توسیع کردی گئی۔

حرفِ آخر!

نواز ، شہباز حکومت کا قتل و غارت گری کروانا اور بعد ازاں اپنے آپ کو تحفظ دینے کیلئے قانونی منصوبہ بندی کرنے پر تمام اقدامات، نئی تقرریاں، برطرفیاں، تبادلے، خصوصی مراعات، توسیع ملازمت، آرڈیننس اور ترمیمات یہ سب واضح کرتے ہیں کہ شہباز شریف بطور وزیر اعلیٰ پنجاب اس پورے سانحہ کے ذمہ دار ہیں۔ وقوعہ سے پہلے تیاری اور اس کے بعد تحفظ دینے کے اقدامات ان کے جرم کو ثابت کرتے ہیں۔ اس وقوعہ کی پولیس ہی صرف ذمہ دار نہیں ہے بلکہ حکومت پنجاب اور وفاقی حکومت بھی اتنی ہی ذمہ دار ہے جس کی ایما پر یہ وقوعہ پیش آیا ہے۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے انصاف کے حصول کی جدوجہد کو 7سال کا عرصہ گزر گیاہے۔ شہداء سانحہ ماڈل ٹاؤن کے لواحقین 7سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی انصاف سے محروم ہیں۔ انسدادِ دہشت گردی عدالت میں سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کا ٹرائل زیرِ سماعت ہے جبکہ سپریم کورٹ کے فلور پر تشکیل پانے والے JIT کے خلاف لاہور ہائیکورٹ کا 7رکنی لارجر بینچ چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ کی سربراہی میں سماعت کررہا ہے۔ لاہور ہائیکورٹ نے فیصلہ کرنا ہے کہ مورخہ 3 جنوری 2019ء کے نوٹیفکیشن کے مطابق گورنمنٹ آف پنجاب کی طرف سے نئی JIT کی تشکیل صحیح ہوئی ہے یا نہیں؟

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین حصولِ انصاف کے لئے مسلسل قانونی چارہ جوئی کر رہے ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ بے گناہوں کو قتل کرنے والے ایک نہ ایک دن اپنے عبرت ناک انجام سے ضرور دو چار ہوں گے اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین کو انصاف ملے گا۔ ❁❁❁❁❁

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

اسلام اہل ایمان کو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری پر مبنی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے

اہل ایمان کے ساتھ ”موالات“ اور غیر مسلموں کے ساتھ ”مواسات“ اور ”مدارات“ کے برتاؤ کی ہدایت ہے

ثناء اللہ طاہر

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس میں جہاں مومنین کے باہمی تعلقات پر جامع ہدایات ملتی ہیں، وہیں غیر مسلموں کے ساتھ رویوں کو بھی عدل و انصاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ خاندانی، سماجی، معاشرتی اور معاشی الغرض ہر نوع کے تعلق کے بارے رہنمائی میسر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام عالمگیر دین ہے۔ اس کا مخاطب کوئی ایک طبقہ نہیں بلکہ ساری انسانیت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

قُلْ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللّٰہِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا.

”آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔“ (القرآن، ۷: ۱۵۸)

جس دین کا خطاب دنیا کے سارے انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو، جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح و نجات کا نمائندہ بن کر آیا ہو، وہ کسی طبقے سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا، بصورتِ دیگر اس کا خطاب محدود ہو کر رہ جائے گا۔ جو نظریات اور افکار انسانوں کو طبقات میں تقسیم کرتے اور ان میں کشمکش پیدا کرتے ہیں، وہ دراصل ایک دوسرے کے استحصال کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ ان کا تخاطب عمومی نہیں ہوتا، وہ ایک طبقے کے لیے کشش کا سامان ہوتے ہیں جبکہ دوسروں کے لیے ناقابلِ قبول ہوتے ہیں۔

اسلام نے اپنے عقیدے اور فکر کو عام کرنے کے لیے جبر و اکراہ کے تمام طریقوں کو رد کیا ہے۔ ان میں سے ہر طریقہ اس کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کے لیے اسلام نے صرف دعوت و تبلیغ کی راہ کھلی رکھی ہے۔ وہ اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اس نے صبر و ثبات کے ساتھ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور مخالفت و مزاحمت کا سامنا عزم و حوصلہ اور ہمت و برداشت سے کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسلام نے تعلقات میں صداقت، تواضع، انکساری، نرمی، بردباری، تحمل و برداشت، عفو درگزر، برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی ترغیب اور ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے جبکہ جھوٹ، مکرو فریب، درشت مزاجی، غیظ و غضب، انتقام میں حد سے آگے بڑھنے اور فتنہ و فساد سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ سماجی تعلقات کے متعلق اسلام کی یہ ہدایات محض ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ساتھ تعلقات کے متعلق وارد نہیں ہوئیں بلکہ مسلم و غیر مسلم ہر دو سے سماجی تعلقات میں ان اقدار کو ملحوظ رکھنے کا حکم ہے۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے اساسی اصول

اسلام اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کے ساتھ معاملات میں رواداری پر مبنی رویہ اپنانے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر ہے کہ ہر انسان بحیثیت انسان معزز و مکرم ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی دین اور کسی بھی رنگ و نسل سے ہو۔

اسلام کے نقطہ نظر کے مطابق دنیا انسانوں کے لیے امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خدا کا پیغام قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار دے کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا.

بے شک ہم نے اس (انسان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے شعور و بصیرت کی) راہ بھی دکھا دی، (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا ناشکر گزار رہے۔'' (القرآن، ۷۶:۳)

کسی انسان کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے میں اللہ کی حکمت ہے۔ اللہ چاہتا تو سبھی کو مسلمان بنا دیتا لیکن اللہ کی رضا اور حکمت یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص کو اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ.

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (مگر اس نے جبراً ایسا نہ کیا بلکہ سب کو مذہب کے اختیار کرنے میں آزادی دی) اور (اب) یہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔'' (القرآن، ۱۱۸:۱۱)

چونکہ ہر شخص کا مسلم یا غیر مسلم ہونا اللہ کی حکمت سے ہے اس لیے اسلام کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کو جبراً مسلمان بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ.

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔'' (القرآن، ۹۹:۱۰)

اسلام نے تمام انسانوں سے عدل وانصاف اور اخلاقِ حمیدہ کا حکم دیا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حالت میں بد اخلاقی اور ظلم وزیادتی کی تعلیم نہیں دیتا۔ خواہ معاملہ مسلم کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ ہو، اسلام میں ظلم وزیادتی اور حق تلفی کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں رسالتمآب ﷺ کا ارشاد قابلِ غور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا فَإِنَّهُ لَيْسَ دُونَهَا حِجَابٌ.

''مظلوم خواہ کافر ہو اس کی پکار کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ (اس کی پکار فوراً خدا تک پہنچتی ہے)۔''

(حنبل، ابوعبداللہ، احمد، المسند، ج:۵، ص:۴۱۱، الرقم: ۲۳۵۳۶)

غیر مسلموں سے تعلقات کی اقسام

غیر مسلموں کے ساتھ معاشرتی تعلقات کے موضوع کو زیرِ بحث لاتے ہوئے فقہاء کرام نے تعلقات کی تین اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ موالات

اس سے مراد قلبی اور دلی محبت ہے۔ یہ صرف ہم عقیدہ یعنی مسلمانوں کے ساتھ جائز ہے، کفار ومشرکین سے رازدارانہ تعلق، قلبی محبت، ان کا حقیقی احترام کہ جس سے کفر کا احترام لازم آئے، جائز نہیں ہے۔ قرآنِ مجید کی ایسی آیات اور رسالتمآب ﷺ کی ایسی احادیث جن میں کفر و شرک اختیار کرنے والوں سے کسی طرح کی دوستی رکھنے اور ان سے کوئی سمجھوتہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، ان سے مراد موالات ہیں۔

۲۔ مواسات

اس کے معنی ہمدردی، خیرخواہی اور نفع رسانی کے ہیں، ایسے غیر مسلم جو برسرِ پیکار اور مسلمانوں سے جنگ کے درپے نہیں ہیں، وہ ہمدردی، خیرخواہی کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگوں سے حسنِ سلوک، ہمدردی وغم خواری میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام سے قریب ہوں گے، مسلمانوں کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوں گے اور باہمی فاصلہ کم ہوگا۔

۳۔ مدارات

اس سے مراد خوش خلقی اور ادب و احترام ہے، یہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔ خاص طور پر جب اس کا مقصد دینی نفع رسانی، اسلام کی دعوت، اسلامی اخلاق و برتاؤ پیش کرنا ہو یا وہ مہمان ہوں اور مہمانوں کا احترام بہر حال لازم ہے یا ان کے شر وضرر رسانی سے حفاظت مقصود ہو۔

قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیثِ نبوی ﷺ، رسالتمآب ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ

انسان خواہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں، ان کو زندہ رہنے، معاشی جدو جہد کرنے، اپنا مال اور جائیداد رکھنے اور اس میں تصرف کرنے اور عزت و آبرو کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق سب سے نمایاں ہے۔ اسلام ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ انسانیت کے اعتبار سے ان کے حقوق کا مکمل احترام کیا جائے۔

سیرتِ نبویؐ اور غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت

دینِ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، حسنِ اخلاق، شیریں زبانی اور دیگر اخلاق کا نہ صرف حکم دیتا ہے بلکہ خوش اخلاقی کو مستحب اور باعثِ اجر گردانتا ہے۔ سیرت نبویﷺ میں سفرِ طائف، غزوات اور فتح مکہ سمیت متعدد مواقع ایسے ہیں جہاں رواداری اور حسنِ اخلاق کے ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان واقعات پر حیرت اس لیے بھی ہے کہ یہ رواداری اس صورتِ حال میں تھی جب کہ آپﷺ ان کفار سے برسرِ پیکار تھے اور ہر وقت ان سے ضرر رسانی کا خطرہ رہتا تھا، ایسے وقت لوگ جذبات میں حسنِ سلوک اور ظاہری خوش خلقی سے عموماً متصف نہیں رہ سکتے؛ بلکہ ایسے حالات میں انسانیت کا بھی احترام ختم ہوجاتا ہے۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ حسنِ اخلاق اور رواداری بہر حال پیشِ نظر رکھنی چاہیے، اس سے صرفِ نظر کرنا مسلمانوں کا وصف نہیں ہوسکتا۔ (أبو عبید، قاسم بن سلام۱۴۰۸)، (کتاب الأموال، بیروت، دار الفکر، ص:۵۷)

غیر مسلموں سے تعلقات کی سطح اور نوعیت کس طرح کی ہونی چاہیے؟ ذیل میں اس کا اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

ا۔ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسلام اپنے متبعین کو بلند اخلاق اور اعلیٰ ظرفی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی شریعت یہ نہیں چاہتی کہ بد اخلاقی اور نامناسب زبان استعمال کی جائے، یا کسی بھی معاملے میں تنگ ذہنی برتی جائے۔ چنانچہ اسلام نے مسلمانوں کو باہمی اخلاقیات کی جو تعلیم اور ہدایات دی ہیں، ان کا راست مصداق تو مسلمان ہیں، تاہم غیر مسلم افراد بھی اس میں شامل ہیں۔ جیسے اسلام میں پڑوسیوں کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے اور ان کو اپنے شر سے حفاظت کی ہدایت دی ہے، رسالتمآبﷺ نے ارشاد فرمایا:

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ.

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں پہنچانی چاہیے۔

(بخاری، الصحیح، ج:۵، ص:۲۲۴۰، الرقم: ۵۶۷۰)

پڑوسیوں سے متعلق اس طرح کے جو بھی احکام ہیں، ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں، یعنی جس طرح مسلمان پڑوسی کو تکلیف سے محفوظ رکھا جائے گا اور اسے خوشی و راحت میں شامل کیا جائے گا، اسی طرح غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے کہ اسے امن فراہم کیا جائے اور حسنِ سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک بار ایک بکری ذبح کرائی اور غلام کو ہدایت کی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی کو گوشت پہنچائے۔ ایک شخص نے کہا: حضور! وہ تو یہودی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہودی ہے تو کیا ہوا؟ یہ کہہ کر رسالتمآبﷺ کا حوالہ دیا کہ جبرئیل نے مجھے پڑوسیوں کے حق میں اس قدر اور مسلسل وصیت کی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو وراثت میں حصہ دار بنادیں گے۔ (بخاری، الصحیح، ج:۵، ص: ۲۲۳۹، الرقم:۵۶۶۸)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

فالوصاۃ بالجار مامور بھا مندوب الیھا مسلماً کان او کافراً.

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم مندوب اور پسندیدہ ہے، پڑوسی مسلم ہو یا کافر۔

(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:۵، ص:۴۸۱)

وہ مزید لکھتے ہیں: **قال العلماء الاحادیث فی اکرام الجار، جاء ت مطلقة غیر مقیدة حتی الکافر.**

علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام و احترام میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں کوئی قید نہیں ہے، کافر کی بھی قید نہیں۔

(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:۵، ص:۸۸۱)

۲۔ غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ

سماجی زندگی میں تحائف اور ہدایا کے لین دین کی بڑی اہمیت ہے، اس سے دوستی بڑھتی ہے، باہمی فاصلے کم ہوتے ہیں اور دلوں سے تکلیف و رنج کے آثار دور ہوتے ہیں، اس راز کو بیان کرتے ہوئے رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

تهادوا تحابوا. (البیہقی، السنن الکبری، ج:۶،ص:۱۶۹)

تحائف کا لین دین کرو، محبت میں اضافہ ہوگا۔

یہ حکم بھی عام ہے، اس سے غیر مسلم خارج نہیں؛ بلکہ ان سے بھی ہدایا کا تبادلہ کیا جانا چاہیے۔ احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تحفے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

ان كسرىٰ اهدى له فقبل وان الملوك اهدوا اليه فقبل منهم .

کسریٰ (شاہ ایران) نے آپ کو ہدیہ پیش کیا، آپ نے قبول کیا، دیگر بادشاہوں نے بھی آپ کو ہدیے دیئے، آپ ﷺ نے قبول فرمائے۔ (ترمذی، السنن، ج:۵،ص:۲۴۶)

۳۔ غیر مسلموں کی دعوت قبول کرنا

سماج میں خوشگوار زندگی گذارنے کے لیے مہمانوں کی آمد و رفت اور دعوتِ طعام قبول کرنے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دے تو اسے قبول کرنا پسندیدہ ہے، بلا وجہ اسے رد کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم کے ساتھ بھی جائز مقاصد کے لیے کھانا پینا مباح ہے۔ وقتِ ضرورت اسے دعوت دی جاسکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ رسالتمآب ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ عورت نے آپ کی دعوت کی جسے آپ ﷺ نے قبول کیا۔

۴۔ غیر مسلم کی عیادت

اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس سے ہمدردی کا اظہار اور مریض سے یگانگت ہوتی ہے۔ اس کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم کی عیادت کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسالتمآب ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو غیر مسلم تھا۔ (احمد بن حنبل، المسند، ج:۳،ص:۱۵۲)

ان ہی روایات کی روشنی میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

ولا باس بعيادة اليهودى والنصرانى لانه نوع بر فى حقهم وما نهينا عن ذلك.

''یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسنِ سلوک ہے، اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔''

(مرغینانی، الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی، ج:۴،ص:۲۷۴)

۵۔ غیر مسلم کی مالی اعانت

ضرورت مندوں اور محتاجوں پر خرچ کرنا اور ان کی ضرورت پوری کرنا بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اس میں عقیدہ اور دین و مذہب کا فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ محتاج شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہلِ کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، ہر ایک پر خرچ کرنے کا جذبہ نیک اور باعثِ اجر ہے۔ ایک موقع پر رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

تصدقوا علىٰ اهل الا ديان .

تمام اہل مذاہب پر صدقہ و خیرات کرو۔

(ابن ابی شیبہ، المصنف، ج:۳،ص:۳۹۵)

اس میں انسانیت کا احترام ہے، اس لیے کہ بھوک و پیاس ہر ایک کو لگتی ہے، غیر مسلم بھی اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کی جانی چاہیے۔ بحیثیتِ انسان وہ بھی حسنِ اخلاق اور رحم دلی کے مستحق ہیں۔

۶۔ غیر مسلم قیدی کے ساتھ حسنِ سلوک

قیدیوں کے ساتھ ظلم و ستم کا عام رجحان ہے، وہ چونکہ کمزور اور ناتواں بن کر ماتحتی میں آتے ہیں، اس لیے ان کے

ساتھ نازیبا سلوک کیا جاتا ہے، اسلام نے اسے سختی سے منع کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ ساتھ قیدیوں سے بھی اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ (القرآن،۷۶:۸)۔ عہدِ نبوی ﷺ میں قیدی صرف غیر مسلم ہوا کرتے تھے، اس لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی خواہ غیر مسلم ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے اپنے قیدیوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ جنگ بدر میں جب ستر قیدی ہاتھ میں آئے اور آپ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کے درمیان ان کو دیکھ بھال کے لیے تقسیم کیا اور بہتر سلوک کی ہدایت دی تو صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ حیرت انگیز حسنِ سلوک کا معاملہ کیا۔ خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا مگر انھیں اچھا کھلایا پلایا، ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا، خود تکلیف اُٹھا کر اپنے قیدیوں کو راحت پہنچائی، حالانکہ وہ حالتِ جنگ تھی اور ان ہی کفار کے ہاتھوں یہ ستائے گئے تھے یہاں تک ان کے مظالم کے سبب صحابہ کرام کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، ان سب کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ یہ رواداری اور بہتر سلوک سارے مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے، جس پر چلنا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔

۷۔ غیر مسلم کو دُعا دینا

دوسروں کے لیے دُعا قلبی سخاوت اور وسعتِ ذہنی کی مثال اور آئینہ ہے، اس میں اظہارِ ہمدردی اور خیر خواہی بھی ہے کہ دوسروں کے لیے ایک شخص وہی چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ دوسروں کی ترقی، راحت اور خوشحالی کی تمنا کرنا، اسلام کی ہدایت ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بھی ہے اور غیر مسلم کے لیے بھی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی تو اس نے وہ پیش کی تو آپ ﷺ نے اسے دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین و جمیل رکھے؛ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے۔

(عبد الرزاق، المصنف، ج:۱، ص:۳۹۲)

۸۔ غیر مسلم کے ساتھ عدل و انصاف

عدل و انصاف کی شریعت نے بہت سخت تاکید کی ہے؛ بلکہ یہ اسلام کا امتیازی وصف ہے کہ انسان کسی بھی حال میں ہو وہ عدل و انصاف کو ترک نہ کرے۔ اسلام اپنے متبعین کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی فرد یا گروہ پر دستِ تعدی دراز کریں، چاہے اس سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں اور اس نے کتنی ہی زیادتی کیوں نہ کی ہو، ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا.

”اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔“ (القرآن،۵:۸)

عدل سے کام نہ لینا ظلم ہے اور ظلم کبھی اللہ تعالیٰ کو برداشت نہیں ہے، خواہ وہ کسی جانور کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے مظلوم کی بددُعا سے بچنے کی تاکید کی ہے، جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں۔

۹۔ غیر مسلم کو مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دینا

مسجد ایک مقدس جگہ ہے، اس کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں مسلمان عبادت کرتے ہیں، اس لیے ہر طرح کی آلودگی، بچوں کی آمد و رفت، شور و شرابہ اور ناپاک لوگوں کے داخلے سے حفاظت ایمان کا حصہ ہے۔ اس کے باوجود غیر مسلم اقوام کے مسجد میں داخلہ اور قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ ثقیف کا وفد جب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا تاکہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ انھیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں، جبکہ وہ مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا: زمین نجس نہیں ہوتی، نجس تو ابن آدم ہوتا ہے۔

(الزیلعی، نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ، ج:۴، ص:۲۷۰)

غیر مسلم کو عقیدے کے اعتبار سے قرآن نے ناپاک کہا ہے؛ تاہم جسمانی اعتبار سے اگر وہ پاک صاف رہیں تو مسجد میں داخلے کی ممانعت نہیں ہوگی۔ بالخصوص اس نیت سے کہ مسلمانوں کے طریقہ عبادت، ان کی اجتماعیت اور سیرت و اخلاق کو دیکھ کر ان کے دل نرم پڑیں اور وہ اسلام کی طرف مائل

ہوں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے مختلف وفود اور اشخاص کو مسجد میں قیام کی اجازت اسی مقصد کے تحت دی تھی، علامہ خطابی لکھتے ہیں:

وفی ھذا الحدیث من العلم ان الکافر یجوز له دخول المسجد لحاجة له فیه او للمسلم الیه.

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو اگر مسجد میں کوئی حاجت ہو یا مسلمان کی اس سے کوئی حاجت ہو تو وہ وہاں جاسکتا ہے۔ (الخطابی، معالم السنن، ج:۲،ص:۳۵)

۱۰۔ غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

خوشی اور غم اگرچہ غیر مسلم کو ہی کیوں نہ ہو، ان کی خوشی اور غم میں شمولیت حدود میں رہتے ہوئے جائز ہے۔ جنازہ وہ شے ہے کہ جو تصور و خیال کو آخرت کی طرف لے جاتا ہے اور انسان کو چونکا دیتا ہے، اس لیے کہیں سے کوئی جنازہ گزرے تو انسان کو کھڑا ہوجانا چاہیے، اگر یہ جنازہ غیر مسلم کا بھی ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو رسول اکرم ﷺ کھڑے ہوگئے، صحابہ نے عرض کیا: یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

ان فیه لنفساً. آخر وہ بھی تو انسان تھا۔

(بخاری، الصحیح، ج:۱،ص:۴۴۱، الرقم:۱۲۵۰)

یعنی ہم نے انسانیت کا احترام کیا ہے اور انسان ہونے میں تمام نوع بنی آدم یکساں ہیں۔

۱۱۔ غیر مسلم کی تعزیت

موت ایک خوفناک حادثہ ہے، یہ حادثہ مسلمانوں کو ہو تو وہ یقیناً لمحہ فکر ہے لیکن غیر مسلم کے گھر میں بھی یہ حادثہ پیش آئے تو اس کی بھی تعزیت کی جانی چاہیے اور انسانی ہمدردی کا اظہار کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک سماجی تقاضا ہے اور عین اسلام کی تعلیم پر عمل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ حضرت حسن بصری کے پاس ایک نصرانی آتا اور آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو انھوں نے اس کے بھائی سے تعزیت کی اور فرمایا:

”تم پر جو مصیبت آئی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا وہ ثواب عطا کرے جو تمہارے ہم مذہب لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ موت کو ہم سب کے لیے برکت کا باعث بنائے اور وہ ایک خیر ہو جس کا ہم انتظار کریں، جو مصیبت آئی ہے، اس پر صبر کا دامن نہ چھوڑو۔“

خلاصۂ کلام

انسانی تعلقات کا مسئلہ سماج کا سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت اور نزاکت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب سماج میں مختلف افکار و نظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے ساتھ رہتے ہوں، ان کا طرزِ حیات اور ان کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے الگ ہو۔ اس صورت حال میں ظلم و زیادتی، حق تلفی اور نا انصافی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں فکری تعصّبات، ذاتی اور قومی رجحانات اور سماجی عوامل رکاوٹ بننے لگتے ہیں۔ اس پر قابو پانا ہر مہذب اور صالح سماج کی اولین ضرورت ہے۔

انسانی تعلقات کا رشتہ اخلاق اور قانون سے جڑا ہوا ہے۔ اخلاق کا ہدف ان تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانا ہے۔ قانون اس لیے ہے کہ انہیں جائز حدود میں رکھے اور کسی کو ان سے انحراف اور تجاوز کی اجازت نہ دے۔ اخلاق اور قانون اپنا فرض ادا کریں تو سماج کو امن و امان اور سکون کی دولت نصیب ہوگی، ورنہ جنگل کا راج ہوگا، حقوق پامال ہوں گے اور طاقت ور کے ظلم اور چیرہ دستی سے کم زور سسکتے اور بلبلاتے رہیں گے۔

اسلام عالمگیر مذہب ہے، اس لیے اسلام نے نہ صرف مسلمانوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے اصول وضوابط طے کیے ہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا بھی ایک جامع ضابطۂ اخلاق وضع کیا ہے۔ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی اساس عظمتِ انسانی، شرفِ انسانیت، عدل و انصاف، امن و امدادِ باہمی، ایفائے عہد، حریتِ فکر، عدمِ اکراہ اور غیر جانبداری پر رکھی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان سماجی تعلقات کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات کو اپنائیں اور غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کریں۔ اسی سے دشمنوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جاسکتا ہے اور اسلاموفوبیا جیسی مہمات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ❁❁❁❁❁

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم استاد عبدالحق جمالی (گنداخہ بلوچستان)، محترم اللہ رکھیا رونجھو (TMQ حب چوکی ضلع لسبیلہ بلوچستان) کی والدہ، محترم غلام محمد قادری (سابق صدر TMQ اوستہ محمد ضلع جعفرآباد بلوچستان)، محترم سردار ممتاز ڈوگر (نائب صدر PAT اوکاڑہ) کی بھابھی (حجرہ شاہ مقیم)، محترم ڈاکٹر ندیم (سیکرٹری یوتھ اوکاڑہ حجرہ شاہ مقیم) کے چچا اور محترم حافظ خلیل (علماء کونسل حجرہ شاہ مقیم) کے والد قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجرِعظیم عطا فرمائے۔ آمین

انتقالِ پُرملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزہ واقارب انتقال فرما گئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ محترم پیر غالب پرویز لاہوری (شیخ الاسلام کے انتہائی قریبی، معتمدِ خاص اور جاں نثار ساتھی، بانی ممبر و سینئر راہنما TMQ)

☆ محترم محمد سعید اختر (نائب ناظم اجتماعات) کے بھائی محترم محمد رمضان چشتی (فیصل آباد)

☆ محترم علامہ محمود مسعود قادری (نائب ناظم تربیت) کے والد محترم علامہ مسعود احمد نوری قادری

☆ محترم محمد شاہد لطیف قادری (ڈائریکٹر ریسورسز اینڈ ڈویلپمنٹ MQI) کے والد محترم

☆ محترم رئیس احمد (ٹیلی فون آپریٹر مرکزی ایکسچینج) کے بہنوئی

☆ محترم صدیق اشرف صدیقی (DFA) اور محترم شہزاد شانی (پروٹوکول ڈیپارٹمنٹ) کے والد محترم

☆ محترم مدثر علی (ریپشنسٹ FMRi) کی دادی جان

☆ محترم محمد ثناء اللہ (آئی ٹی مینجر) کی ہمشیرہ ☆ محترم معروف حسین (FMRi) کے والد محترم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران اور کارکنان تحریک نے مرحومین کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت و بلندی درجات کی خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور تحریک منہاج القرآن کے مصطفوی پیغام کو اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات تک پہنچانے کے لئے

سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا

فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کیلئے اِسلامی نصاب

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
JUNE-2021
Regd CPL No.41

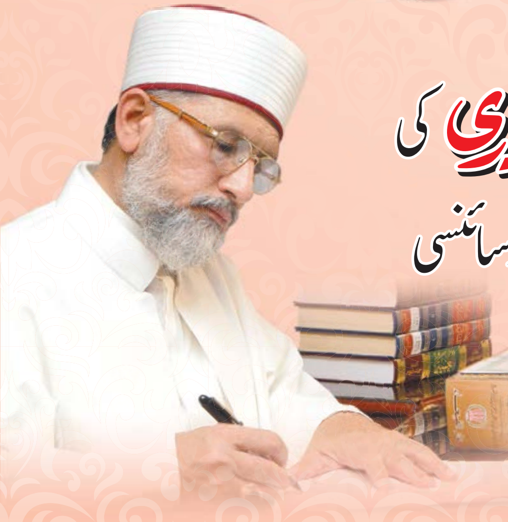

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی

اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی

فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری

موضوعات پر 600 سے زائد کتب